PakistaniPoint
Aik Rabta Apnon Sey
عمران سیریز
شوگی پاما
مظہر کلیم ایم۔اے
PakistaniPoint
Aik Rabta Apnon Sey

عمران سیریز

شوگی پاما

مکمل ناول

مظہر کلیم ایم اے

کتب ملنے کا پتہ۔
یوسف برادرز الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور
Mob:0300-9401919

ناشر ـــــــ محمد یوسف قریشی
اہتمام ـــــــ محمد بلال قریشی
قانونی مشیران ـــ غلام مصطفیٰ قریشی ملتان
ـــــــ ملک محمد اشرف لاہور
طابع ـــــــ پرنٹ یارڈ پرنٹرز لاہور
قیمت ـــــــ -/70 روپے

چند باتیں

محترم قارئین۔ سلام مسنون! ''شوگی پاما'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اس ناول کو لکھتے وقت میرے ذہن میں صرف یہی خیال آیا تھا کہ قارئین کو اس پس منظر سے آگاہ کیا جائے جو کسی بھی ملک میں ہونے والے اہم ترین واقعہ کے پس پشت پیش آتا ہے۔ کیسی کیسی سازشیں کی جاتی ہیں۔ کیسی کیسی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ کیسے کیسے راستے کاٹے جاتے ہیں۔

اس ناول میں وہ تمام سازشیں ، رکاوٹیں اور وارداتیں کھل کر سامنے آگئی ہیں اور پھر محبّ وطن لوگ ان سازشوں کا مقابلہ کیسے کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اتنا دلچسپ، سنسنی خیز اور پراسرار ہوتا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ پہلی سطر شروع کرنے کے بعد آخری سطر تک اگر آپ چاہیں بھی تو نظریں نہ ہٹا سکیں گے۔

محترم قارئین! جاسوسی ادب کا میدان بہت وسیع ہوتا ہے۔ ہر مجرم اپنے مخصوص ذہن اور کردار کے مطابق واردات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میری نظر میں مصنف کا کام یہی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ہر ناول میں ایسے مجرم اور ایسے پلاٹ پیش کرے جو عام ڈگر سے ہٹے ہوئے ہوں۔ نئی جہتوں کی تلاش ہی ادب کا سرمایہ افتخار ہوتا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میری ہمیشہ نئی جہت کی تلاش کامیاب رہی ہے۔

"شوگی پاپا" بھی اس میدان میں ایک نئی جہت ہے۔ انوکھا پلاٹ، متنوع کردار اس کہانی کی خوبیاں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ پہلے ناول کی طرح یہ ناول بھی آپ سے داد ضرور وصول کرے گا۔

اب اجازت دیجئے۔

والسلام
مظہر کلیم۔ ایم اے

کیپٹن شکیل بڑی مستعدی سے لیبارٹری والے میدان سے دور ایک درخت پر بیٹھا دوربین آنکھوں سے لگائے ڈیوٹی دے رہا تھا۔ عمران کی کار اندر جاتی اس نے دیکھ لی تھی اور اس کی رپورٹ اس نے واچ ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایکسٹو کو دے دی تھی۔

اب شام ہو رہی تھی اور وہ اس ڈیوٹی سے قدرے اکتا گیا تھا کیوں کہ سارا دن درخت پر بیٹھے بیٹھے اس کے پٹھے اکڑ گئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ درخت سے اتر کر کچھ دیر لیٹے لیکن ایکسٹو کا حکم وبال جان کی طرح تھا۔

جب وہ ملٹری سیکرٹ سروس میں تھا تو اس نے ایکسٹو کے بارے میں کافی شکائتیں سنی تھیں، لیکن وہ ان سب کو افسانوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ ایکسٹو کی ماتحتی میں چلا جائے تو دو دن میں ایکسٹو کو نقاب سے باہر نکل آنے پر مجبور کر دے گا۔ لیکن

اب جب وہ اتفاق سے ایکسٹو کی ٹیم میں شامل ہو گیا تھا تو اس کو وہ تمام افسانے حقیقت نظر آ رہے تھے۔ ایکسٹو کے معاملے میں وہ ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

اس نے اپنے طور پر کوشش بھی کی تھی لیکن وہ قطعی ناکام رہا، مگر وہ اس ٹیم میں شامل ہو کر خوش تھا کیوں کہ اس نے ایکسٹو کو بہت شاندار باس پایا تھا۔

اپنے ماتحتوں کی ہر تکلیف کا خیال رکھتا تھا اور ٹیم میں اسے صفدر، عمران اور جولیا بہت اچھے لگتے تھے۔ بحیثیت دوست بھی اور بحیثیت ذہین آدمیوں کے بھی وہ ان کی شخصیتوں کا قائل تھا۔ عمران کا تو وہ گرویدہ ہو چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس جیسا بہترین شخص اس نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پہلے چند دن تو وہ اسے ایک بے وقوف سا آدمی سمجھتا رہا لیکن ماکازونگا کیس میں جو اس ٹیم کے ساتھ اس کا پہلا کارنامہ تھا وہ اس کی صلاحیتوں کا دل کھول کر اعتراف کر چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ عمران ہر قسم کی سچویشن کو بخوبی ہینڈل کر سکتا ہے۔ وہ ٹیم کے چند ممبروں کی طرح عمران کی بکواس سے اکتاتا نہیں تھا، بلکہ عمران کی بکواس اس کے لئے ہمیشہ دلچسپی کا باعث بنی رہی۔

اچانک وہ اپنے خیالات سے چونک پڑا کیوں کہ اس نے لیبارٹری کا دروازہ زمین سے ابھرتے دیکھا اس نے تمام خیالات اپنے ذہن سے جھٹک دیئے اور چوکنا ہو کر دیکھنے لگا۔ دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک چھوٹی سی کار باہر نکلی پھر دروازہ زمین میں دھنس گیا۔ اس نے

جلدی سے ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو کو اس کے بارے میں اطلاع دی اور وہاں سے تعاقب کی اطلاع پا کر وہ پھرتی سے درخت سے اترا اور بھاگتا ہوا نزدیکی جھاڑیوں میں چھپی ہوئی کار میں بیٹھ گیا اور پھر کار تیزی سے ناہموار میدان میں اچھلتی کودتی مین روڈ پر آ گئی۔ اس نے جگہ ہی ایسی منتخب کی تھی کہ اگر کسی کا تعاقب بھی کرنا پڑے تو وہ اس سے پہلے مین روڈ پر پہنچ جائے۔

اسے معلوم تھا کہ ابھی ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری سے نکلنے والی کار اس سڑک پر نہیں پہنچی ہوگی۔ کیوں کہ لیبارٹری کی بائی روڈ کافی طویل تھی اس لئے اس کی کار آہستہ آہستہ رینگتی رہی پھر بیک مرر پر اسے مطلوبہ کار تیزی سے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کار روک کر اس سے پٹرول کی درخواست کرے تاکہ وہ آسانی سے کار چلانے والے کی شکل دیکھ سکے مگر پھر اس نے یہ خیال بدل لیا۔ کیوں کہ اس طرح وہ اس کار والے کی نظروں میں آ جاتا اور وہ تعاقب میں اس کی کار دیکھ کر سمجھ جاتا۔ چنانچہ کار کی رفتار بدستور ویسی ہی رہی چند لمحوں بعد پچھلی کار تیزی سے آگے نکل گئی۔ اس نے کار چلانے والے کی ہلکی سی جھلک دیکھی۔ جب آگے جانے والی کار کا فاصلہ خاصا بڑھ گیا تو کیپٹن شکیل نے بھی کار کی رفتار بڑھا دی اور ایک مخصوص فاصلہ دے کر اگلی کار کا تعاقب شروع کر دیا۔ دونوں کاروں نے مختلف سڑکیں پار کیں اور پھر دونوں کاریں شہر کی مصروف ترین سڑک پر آگے پیچھے دوڑنے لگیں۔ اچانک آگے جانے والی کار

ایک بہت بڑے میڈیکل سٹور کے سامنے رک گئی۔ اس میں سے ایک دوہرے بدن کا معمر آدمی باہر نکلا اور سٹور میں داخل ہو گیا۔ کیپٹن شکیل نے بھی اپنی کار فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی کر دی اور اس آدمی کا سٹور سے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آدمی ہاتھ میں ایک بنڈل اٹھائے سٹور سے باہر نکلا اور پھر اس کی کار دوبارہ سڑک پر تیزی سے بھاگنے لگی۔ اب اس کا رخ شہر سے باہر ہائی لائنز کی طرف تھا۔ جہاں امراء اور افسروں کی شاندار کوٹھیاں تھیں۔ پھر کار ایک بہت بڑی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

کیپٹن شکیل کی کار کوٹھی کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔ کوٹھی پر کوئی نیم پلیٹ موجود نہیں تھی۔ کیپٹن شکیل نے کافی فاصلے پر جا کر کار کھڑی کر دی اور خود پیدل کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

کوٹھی کا عظیم الشان پھاٹک بند تھا۔ دیواریں چونکہ کافی بلند تھیں اس لئے ان کے اندر دیکھنا ناممکن تھا۔ کیپٹن شکیل نے سوچا کہ کوٹھی کے اندر جا کر دیکھے۔ لیکن ایکسٹو نے صرف تعاقب کرنے کے لئے کہا تھا اس لئے اس نے ایک درخت کے نیچے جا کر ایکسٹو کو کال کرنا شروع کر دی تا کہ اس سے نئی ہدایات لے سکے لیکن کافی دیر کی کوشش کے باوجود رابطہ قائم نہ ہو سکا اور کیپٹن شکیل نے ایک طویل سانس لے کر ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

اب اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ کوٹھی کے اندر جا کر معلوم کرے گا۔

چنانچہ وہ تیزی سے چلتا ہوا کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔ یہ وہ کوٹھی نہیں تھی جس میں وہ جولیا کا تعاقب کرتے ہوئے آیا تھا۔ آخر پشت کی دیوار میں اسے مطلوبہ جگہ مل گئی۔

دیوار کے ساتھ ساتھ کوئی مطلوبہ درخت بھی نہیں تھا جس کے ذریعے وہ کوٹھی میں کود جاتا۔ چنانچہ اس نے پشت پر گندے پانی کا گٹر دیکھ کر اس گٹر سے اندر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن یہ دیکھ کر اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی کہ گٹر کا سوراخ موٹی جالی سے بند تھا۔ اس نے ایک بار پھر ادھر ادھر کا جائزہ لیا لیکن کوئی اور صورت نظر نہ آئی۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسی پر زور آزمائی کرے۔ اس نے زمین پر لیٹ کر زور آزمائی شروع کر دی۔ کافی اندھیرا پھیل چکا تھا اس لئے فی الحال دیکھے جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے گرد و پیش سے کافی محتاط نظر آ رہا تھا۔ کافی دیر کی زور آزمائی کے بعد وہ جالی اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے لئے اسے اپنے جسم کی پوری قوت استعمال کرنا پڑی۔ پھر وہ سمٹ کر اندر گھس گیا۔ کپڑوں پر دھبے تو پڑ گئے تھے لیکن اس نے پرواہ نہ کی اور تیزی سے اصل عمارت کی طرف چلا۔ تھوڑی دور جا کر اسے گٹر کا راستہ اوپر جاتا نظر آ گیا اور پھر تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ گٹر سے باہر تھا۔ اس نے گٹر کے ڈھکن کو دوبارہ سیٹ کیا اور پھر گندے پانی کے پائپ کے ذریعے وہ تیزی سے چھت کی طرف چڑھنے لگا۔ چند ہی لمحوں میں وہ چھت پر پڑا زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ اور

پھر وہ اٹھ کر نیچے جانے کا راستہ ڈھونڈنے لگا اسے مشرقی کونے میں سیڑھیاں نظر آ گئیں۔ اس سے اتر کر وہ ایک گیلری کی چھت پر جا پہنچا۔ وہاں کمرے کے روشندانوں کی قطار تھی۔

ایک روشندان میں سے روشنی باہر آتی دیکھ کر وہ احتیاط سے اس کی طرف بڑھا۔ جیب سے نقاب نکال کر اس نے منہ پر چڑھا لیا اور پستول ہاتھ میں لے کر وہ روشندان سے اندر جھانکنے لگا، اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیوں کہ کمرے میں ایک بہت بڑی میز کے گرد چھ نقاب پوش بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان ایک ٹیلی ویژن نما مشین موجود تھی وہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی ٹرانسمیٹر ہوگا۔ وہ چپکے سے ان کی حرکات دیکھتا رہا۔

اچانک اس نے ان کو چونکتے دیکھا کیوں کہ مشین کی سکرین روشن ہو گئی تھی اور پھر سکرین پر ایک اور نقاب پوش کی تصویر ابھری وہ شائد کچھ احکامات دے رہا تھا اور روشندان چونکہ شیشے کا تھا اس لئے ان کی آوازیں اس تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ اس نے چاہا کہ روشندان کھول کر ایک جھری سی بنالے تا کہ آواز بھی سن لے۔ لیکن روشندان اندر سے بند تھا۔ اس نے واچ ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک بار پھر ناکام رہا۔ نجانے ایکسٹو کہاں چلا گیا تھا۔ وہ دوبارہ اندر کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس پر اچھل پڑا ہو۔ اس کے پستول کی نالی روشن دان کے شیشے کو لگی اور تڑاخ کی آواز سے شیشہ ٹوٹ گیا۔ وہ تیزی سے پلٹا

لیکن یہ دیکھ کر اس کا دل جل گیا کہ وہ ایک چھپکلی تھی جو دیوار سے نہ جانے کیا سوچ کر اس پر اچھلی تھی۔ اب وہاں رکنا بے کار تھا کیونکہ شیشہ ٹوٹنے سے وہ لوگ یقیناً چوکنا ہو چکے تھے۔ وہ اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بھاگا لیکن آگے دروازہ بند تھا۔ شائد انہوں نے الیکٹرانک سسٹم استعمال کیا تھا۔ اب وہ گیلری میں حقیر چوہے کی طرح پھنس چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کہ اچانک روشندان سے اسٹین گن کی نالی باہر آئی اور پھر گیلری کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور دو نقاب پوش اسٹین گنیں سیدھی کئے سامنے آ گئے۔

''ہینڈز اپ۔ تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔ اپنا پستول نیچے پھینک دو۔'' ـــــــ ان میں سے ایک نقاب پوش نے گرجدار آواز میں کہا۔

ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہا کہ ان میں سے کم از کم ایک کو گولی مار دے لیکن پھر دو اسٹین گنوں کو دیکھ کر اس نے ارادہ تبدیل کر دیا کیوں کہ وہ بڑی آسانی سے چھلنی ہو سکتا تھا۔

اس نے پستول پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور تھوڑی دیر بعد وہ ان نقاب پوشوں کے آگے چلتا ہوا اسی کمرے میں آن پہنچا ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے اور اسے ستون کے پاس کھڑا کر دیا۔ مشین کی سکرین پر ایک بار پھر روشنی نمودار ہوئی اور غرائی ہوئی آواز نکلی۔

''اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔''

"جی ہاں۔"

ان میں سے ایک نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا میں خود وہیں پہنچ رہا ہوں۔ اس کی کڑی نگرانی کی جائے۔"

اور وہ سب یہ سن کر چوکنے ہوگئے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ایک شخص جس نے سر سے پاؤں تک چست سیاہ لباس پہنا ہوا تھا اور منہ پر ایک سیاہ نقاب تھا۔ جس سے اس کا منہ اور سر پوری طرح ڈھک گیا تھا اسے اندر آتا دیکھ کر سب اٹن شن ہو گئے۔

وہ پروقار انداز سے چلتا ہوا کیپٹن شکیل کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور باقی سب نقاب پوش اسٹین گنیں اٹھائے اس کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔

"اس کا نقاب اتاردو۔"

ان کے باس نے ایک نقاب پوش کو حکم دیا اور نقاب پوش نے آگے بڑھ کر کیپٹن شکیل کے منہ سے نقاب کھینچ لیا۔ کیپٹن شکیل کو دیکھ کر تقریباً سب چونک پڑے۔ کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہی وہ نوجوان تھا جو ایک بار پہلے ان کی قید سے بھاگ نکلا تھا۔

"اوہو۔ تو تم وہی ہو۔"

کرسی پر بیٹھے ہوئے ان کے باس نے کہا۔ لیکن کیپٹن شکیل نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بتاؤ تم کون ہو اور کس گروہ سے تعلق رکھتے ہو۔"

اچانک باس غرایا۔ اس کی آواز میں سینکڑوں درندوں کی غراہٹ

تھی۔

کیپٹن شکیل جیسے مضبوط اعصاب والے کی بجائے اگر کوئی اور شخص ہوتا تو آواز سن کر ہی کانپ جاتا لیکن کیپٹن شکیل پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اطمینان سے کھڑا رہا۔

"اچھا۔ بتاؤ تمہارا ایکسٹو سے کیا تعلق ہے۔" ——— باس نے دوبارہ پوچھا۔

"کیا میں شوگی پاما سے مخاطب ہوں۔" ——— کیپٹن شکیل کے ذہن میں اچانک خیال ابھرا اور اس نے پوچھ ہی لیا۔

"ہاہاہا۔۔ہاں۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم سے شوگی پاما مخاطب ہے۔ ورنہ سینکڑوں آدمی اس کی آواز سننے کی خواہش لے کر قبروں میں پہنچ گئے ہیں۔ اب سیدھی طرح میرے سوالوں کے جواب دو۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ شوگی پاما کسے کہتے ہیں۔" ——— شوگی پاما نے دوبارہ کہا۔

"پوچھو۔"

کیپٹن شکیل کچھ سوچ کر بولا۔

"ایکسٹو سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"میں ایکسٹو کی ٹیم کا رکن ہوں۔" ——— کیپٹن شکیل نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تمہارا نام۔"

"ڈائمنڈ پرنس۔"

''کیا مطلب۔''

''بس شروع ہی سے میں اس نام سے مشہور ہوں۔''

''ہوں۔ایکسٹو کون ہے۔''

''یہ مجھے معلوم نہیں۔ مجھے اس ٹیم میں آئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔''

''پہلے کیا کرتے تھے۔''

''ایک مقامی فرم میں منیجر تھا۔''

''یہاں کیسے پہنچے۔''

''ایکسٹو کی ہدایت پر اس کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا۔ پھر اپنے تجسس سے مجبور ہو کر اندر گھس آیا اور نتیجہ ظاہر ہے۔''

''ایکسٹو کو رپورٹ کیسے پہنچاتے ہو۔''

''واچ ٹرانسمیٹر کے ذریعے یا ایکسٹو خود ہی رابطہ قائم کرتا ہے۔''

اور پھر شوگی پاما کے اشارے پر ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے گھڑی اتارنی چاہی۔ اور اسی لمحے کے لئے کیپٹن شکیل نے سارا چکر چلایا تھا۔ کیونکہ ہاتھوں کی رسیاں اس نے کلائی میں لگے ہوئے بلیڈ کے ذریعے پہلے ہی کاٹ لی تھیں۔ کیپٹن شکیل کے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا کنگن ہر وقت موجود رہتا تھا۔ یہ کنگن اس نے ملٹری کی ایک مہم میں ایک افریقی سے تحفہ کے طور پر لیا تھا۔ کلائی کے ہلکے سے دباؤ سے اس کنگن کا بالائی حصہ کھل جاتا تھا اور اس میں سے ایک انتہائی تیز بلیڈ باہر نکل آتا تھا۔ جس کے ایک ہی وار سے آدمی کو موت

کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا۔

افریقہ کے بومی قبائل کا یہ ایک مخصوص ہتھیار تھا۔ جس سے وہ شیروں کو چشم زدن میں ختم کر دیتے تھے اور اس کنگن نے اس کے ہاتھوں کو رسیوں سے آزاد کر دیا تھا۔

جیسے ہی وہ شخص کیپٹن شکیل کے سامنے آیا۔ کیپٹن شکیل نے پھرتی سے اسے آگے رکھ لیا۔ اور دوسرے ہاتھ کو اس کی گردن کے گرد لپیٹ لیا۔ وہ آدمی کافی کسمسایا لیکن کیپٹن شکیل کی گرفت مضبوط تھی۔

''اسٹین گنیں نیچے پھینک دو۔ورنہ میرے بازو کا ایک ہی جھٹکا اس کی گردن توڑ دے گا۔'' ______ کیپٹن شکیل کی آواز بھیانک تھی۔

تمام نقاب پوش گھبرا گئے۔ شائد وہ آدمی کافی اچھی پوزیشن کا مالک تھا۔

شوگی پاما بھی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک لمحہ کے لئے شوگی پاما چپ چاپ کھڑا رہا۔

''جلدی کرو ورنہ۔۔۔۔''

کیپٹن شکیل غرایا اور بازو کو ذرا سا دبایا تو اس آدمی کی آنکھیں باہر نکلنے لگیں۔

اور پھر شوگی پاما کے اشارے پر نقاب پوشوں نے اسٹین گنیں نیچے پھینک دیں۔ پھر ان میں سے ایک نے دوبارہ اسٹین گن اٹھانی چاہی، کیپٹن شکیل نے پھرتی سے اس آدمی کو دھکا دے کر فرش پر گرا دیا اور اچھل کر ایک آدمی کو لات ماری۔ کیپٹن شکیل کی لات کھا کر وہ شخص

شوگی پاپا پر جا گرا۔ دوسرا آدمی کیپٹن شکیل کی طرف لپکا لیکن اس نے کلائی کے ایک ہی جھٹکے سے اس آدمی کی شہ رگ کاٹ دی اور اسے چیخ مارنے کی مہلت بھی نہ ملی۔

اب کمرے میں ایک زور دار جنگ چھڑ گئی وہ تعداد میں پانچ تھے اور کیپٹن شکیل اکیلا کمرے میں ناچتا پھر رہا تھا۔

اور پھر دوسرے آدمی کی گردن بھی آدھی کٹ کر جھول گئی۔ کیپٹن شکیل کی کوشش تھی کہ وہ کسی کو بھی اسٹین گن نہ اٹھانے دے اور وہ اب تک اس میں کامیاب تھا۔ پستول شائد کسی کی جیب میں نہ تھا۔

اور پھر شوگی پاپا کیپٹن شکیل کے داؤ میں آ گیا۔ اس نے پھر کنگن استعمال کرنا چاہا لیکن وہ بے انتہاء پھرتیلا ثابت ہوا اور کیپٹن شکیل کا وار خالی گیا۔

شوگی پاپا اس سے کسی جونک کی طرح چمٹ گیا۔ اس اثناء میں باقی نقاب پوش اسٹین گنوں کی طرف لپکے۔

کیپٹن شکیل نے سوچا اب جان بچائی جائے۔ چنانچہ اس نے شوگی پاپا کو اٹھا کر ایک نقاب پوش پر دے مارا اور خود دروازے کی طرف بھاگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے گولیوں کی باڑ دروازے سے ٹکرائی۔

لیکن وہ دروازہ پار کر چکا تھا۔ اب وہ تیزی سے ایک برآمدے سے ہوتا ہوا کمپاؤنڈ میں پہنچ چکا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ مین گیٹ کی طرف جانے کی بجائے وہ کوٹھی کی

پشت کی طرف بھاگا اور چند ہی لمحوں بعد وہ گٹر میں گھس کر باہر نکل چکا تھا اور پھر وہ مختلف سڑکوں پر اندھا دھند بھاگتا ہوا اپنی کار کے پاس پہنچا اور اس کی کار ایک جھٹکے سے سٹارٹ ہو کر روڈ پر دوڑتی چلی گئی۔

وہ کار کو اندھا دھند چلا رہا تھا۔ آخر مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا وہ شہر کی ایک بارونق سڑک پر پہنچ گیا۔ اس نے بیک مرر میں دیکھا لیکن تعاقب میں کسی کو نہ پا کر اطمینان کی سانس لی۔

بہرحال وہ اپنی ذہانت اور فطری دلیری سے ایک خطرناک سچویشن سے بچ نکلا تھا۔ اب کار کا رخ اپنے فلیٹ کی طرف تھا۔

عمران، کیپٹن شکیل اور صفدر تینوں ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری سے کافی فاصلے پر ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ کیپٹن شکیل کی رپورٹ پر ایکسٹو نے ہائی لائنز کی اس کوٹھی پر فوری چھاپہ مارا تھا۔ لیکن کوٹھی بالکل سنسان تھی مجرم اسے فوری طور پر خالی کرکے وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ ایکسٹو نے صفدر کو وزارت خارجہ کے دفتر سے فارغ کرا دیا تھا۔ کیونکہ اب وہ سمجھ گیا تھا کہ شوگی پاما کا مقصد دراصل ڈاکٹر سے کوئی فارمولا حاصل کرنا ہے۔ لیکن کیا ڈاکٹر جوہر بھی مجرموں سے مل گیا ہے۔ کیونکہ کیپٹن شکیل کی رپورٹ سے صاف ظاہر تھا کہ ڈاکٹر جوہر لیبارٹری سے کار میں سوار ہو کر اس کوٹھی تک گیا تھا اور عمران جانتا تھا کہ ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری میں سوائے ڈاکٹر جوہر کے اور کوئی نہیں ہوتا لیکن کیپٹن شکیل کو اس کوٹھی میں ڈاکٹر جوہر نظر نہیں آیا تھا اور پھر وہاں شوگی پاما بھی آدھ گھنٹہ بعد پہنچا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ وہ اس

کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔

دوسری بات یہ سوچی جا سکتی تھی کہ ڈاکٹر جوہر کسی نقاب پوش کے روپ میں موجود تھا تو پھر سارا کیس ہی ختم ہو جاتا تھا۔ کیونکہ پھر شوگی پاما کو اس فارمولے کے حاصل کرنے میں کیا دیر تھی۔ لیکن شوگی پاما کی اس ملک میں موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ ابھی تک فارمولا حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

عمران کے ذہن میں ایک خلش تھی کہ اصل راز کیا ہے۔ وہ ڈاکٹر جوہر سے بھی اس بارے میں نہیں پوچھ سکتا تھا کہ اس کار میں کون تھا کیونکہ اگر ڈاکٹر جوہر مجرموں سے ملا ہوا تھا تو مجرم یقیناً چونک پڑیں گے کہ لیبارٹری کی نگرانی ہو رہی ہے اور یہ چیز عمران کے خیال میں ان کے خلاف ہی جا سکتی تھی۔ کیونکہ خدا خدا کر کے تو انہیں لائن آف ایکشن ملی تھی۔ اگر وہ بھی ہاتھ سے گنوا بیٹھتے تو پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ہی مارتے رہ جاتے اور مجرم اپنا کام کر جاتے۔

اب ان کا ارادہ تھا کہ وہ تینوں کسی طرح ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری میں گھس کر اندر کا جائزہ لیں۔ کیونکہ کل والے واقعہ نے ڈاکٹر جوہر کی حیثیت بھی مشکوک بنادی تھی۔

صفدر اور کیپٹن شکیل ایکسٹو کے حکم سے عمران کا ساتھ دینے آئے تھے۔ لیکن اب مسئلہ تھا لیبارٹری میں جانے کا۔ اس کا حل کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیونکہ ڈاکٹر جوہر کے علم میں لائے بغیر لیبارٹری کے اندر جانا تقریباً ناممکن تھا۔

"اب تم ہی کوئی طریقہ سوچو۔" ——— صفدر نے سوچتے سوچتے اکتا کر عمران سے کہا اور عمران سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کیپٹن شکیل بھی خاموش تھا شائد وہ بھی دماغ لڑا رہا تھا۔

"تم ہی کچھ بتاؤ کیپٹن۔" ——— عمران نے شکیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

کیپٹن شکیل چونک پڑا۔

"میرا تو خود دماغ سوچ سوچ کر ماؤف ہو رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

کیپٹن شکیل نے کہا۔

"آج تمہاری ریڈی میڈ کھوپڑی سو رہی ہے کیا۔" ——— صفدر عمران سے مخاطب ہوا۔ صفدر دراصل عمران کے ذہن سے بے حد مرعوب تھا۔ کئی مسائل جو بظاہر ناممکن نظر آتے تھے، عمران کے ذہن نے چٹکیوں میں حل کر دیئے تھے۔ اس لئے نفسیاتی طور پر صفدر کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ عمران ہر حالت میں اس کا حل سوچ لے گا اور عمران کو خاموش دیکھ کر اس پر اکتاہٹ ہو رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ عمران جلدی سے کوئی حل سوچے تا کہ اس کے دماغ کو سکون ملے۔

لیکن عمران خود حیران تھا کہ آخر کون سی تدبیر عمل میں لائی جائے۔

عمران نے صفدر کا فقرہ سن کر چونکنے کی اداکاری کی۔

"تم نے مجھ سے کچھ کہا۔"

"اور کیا تمہارے فرشتوں سے کہہ رہا ہوں۔" ——— صفدر جل

ہی گیا۔ اسے عمران کی بے وقت ایکٹنگ کبھی کبھی بہت بری لگتی تھی۔

"ہو سکتا ہے بھائی۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" ——— عمران نے مسلسل سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تمہاری ریڈی میڈ کھوپڑی کوئی تجویز نہیں سوچ سکتی۔" صفدر نے طنز کیا۔

"بھئی بات یہ ہے کہ میری کھوپڑی کے سیل ختم ہو گئے ہیں۔ بازار سے اعلیٰ کوالٹی کے سیل ملتے نہیں اور دیسی سیلوں سے اپنی کھوپڑی پر الٹا اثر پڑتا ہے۔" ——— عمران نے کہا

"ایک تدبیر سمجھ میں آئی ہے۔" ——— کیپٹن شکیل اچانک بولا اور وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میرے خیال میں اگر ہم میں سے ایک اس میدان کے پاس جا کر مشکوک حالت میں گھومے پھرے تو یقیناً ڈاکٹر جوہر کے علم میں آ جائے گا، اور جیسے ہی وہ گرفتار کرنے کے لئے دروازہ سے باہر نکلے باقی دو چھپ کر اندر چلے جائیں۔"

"لیکن باقی دو کس طرح اندر جائیں گے۔" ——— صفدر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تدبیر تو شاندار ہے۔ ہاں ارے اب میری ریڈی میڈ کھوپڑی نے بھی کام شروع کر دیا ہے۔ وہ مارا۔ بھئی واہ شکیل صاحب۔ آپ نے میری کھوپڑی میں کرنٹ دوڑا دیا ہے۔ ظالم سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اب تو ہر چیز روز روشن کی طرح صاف نظر آ رہی ہے۔" ——— عمران

بولتا ہی چلا گیا۔

"کچھ بتاؤ گے بھی یا یونہی بے تکی ہانکے جاؤ گے۔"۔۔۔۔۔ صفدر نے جھنجھلا کر کہا۔

"صبر پیارے صفدر، صبر، ابھی تو میری کھوپڑی چالو ہوئی ہے۔ اور تم ابھی سے گھبرا گئے ہو۔ نبھا کرنے کے لئے تو ساری عمر پڑی ہے۔" عمران نے آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا اور کیپٹن شکیل نے زوردار قہقہہ لگایا۔ صفدر بری طرح جھینپ گیا۔

"اچھا۔ آپ تدبیر بتا رہے تھے۔"۔۔۔۔۔ کیپٹن شکیل نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"تدبیر۔ ارے تدبیر کیا میں تقدیر بھی بتا سکتا ہوں۔ میں نے دس سال نجوم اور پامسٹری کا مطالعہ کیا ہے اور دو سال پروفیسر علی عمران ماہر نجوم و پامسٹ کی حیثیت سے دکان چلائی ہے۔"۔۔۔۔۔ عمران کی بکواس دوبارہ شروع ہوگئی۔ صفدر کو غصہ آ گیا لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ عمران سے بازی جیتنا اس کے بس سے باہر تھا۔

"اچھا سنو۔ صفدر تم کار میں بیٹھ جاؤ۔ ہم دونوں کار اور ڈگی میں چھپ جاتے ہیں۔ میک اپ میں تو تینوں ہیں اس لئے پہچانے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم کار چلا کر اس جگہ لے جاؤ جہاں ڈاکٹر کی لیبارٹری کا دروازہ ابھرتا ہے اور پھر کار سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنا۔ مختلف مشکوک حرکات کرنا اور جب لیبارٹری کا دروازہ ابھرنے لگے تو بھاگ کر گاڑی میں بیٹھ جانا اور پھر کار کو موڑ کر بھاگنے کی کوشش کرنا۔

لیکن یہ خیال رہے کہ خوامخواہ ظاہر نہ کرنا۔ ڈاکٹر تمہیں اپنے کسی سائنسی طریقے سے گرفتار کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو کار بھی ساتھ ہی جائے گی اور اس طرح ہم دونوں بھی اس محفوظ اندر پہنچ جائیں گے اور پھر بعد میں جو بھی گزرے گی دیکھا جائے گا۔"۔۔۔۔۔ عمران نے بات بتائی اور صفدر اور کیپٹن شکیل کو عمران کی ریڈی میڈ کھوپڑی پر یقین لانا ہی پڑا۔

بہرحال صفدر کیپٹن شکیل کی ذہانت کا بھی معترف ہوگیا۔ جس نے اس تدبیر کے لئے راستہ بتایا تھا۔ اب وہ تینوں جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑی کار کی طرف بڑھنے لگے۔ صفدر نے سٹیئرنگ سنبھالا، عمران کار کی پچھلی سیٹوں کے درمیان اور کیپٹن شکیل ڈگی میں گھس گیا۔ ہوا کے لئے ڈگی میں ذرا سی درز رکھ لی گئی۔ صفدر نے کار سٹارٹ کر کے جھاڑیوں سے نکالی۔

پھر کار تیزی سے ناہموار میدان کو عبور کر کے مین روڈ پر آ گئی۔ صفدر نے کار کی رفتار تیز کردی۔ اب کار مین روڈ کا چکر کاٹ کر اس بائی روڈ پر چل پڑی جو سیدھی اس میدان کی طرف جاتی تھی جہاں ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری موجود تھی۔

کافی آگے جا کر صفدر نے کار روک دی اور خود کار میں سے باہر نکل کر پہلے تو غور سے ادھر ادھر دیکھا پھر زمین پر لیٹ کر آگے رینگنے لگا۔ پھر ایک جگہ اس نے جیب سے چھوٹی سی چیز نکالی اور اسے زمین پر رکھ کر غور سے دیکھنے لگا۔ پھر جلدی سے اس کو اٹھا کر جیب میں ڈال لیا

اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے آہستہ آہستہ زمین کھودنے لگا۔ وہ کامیاب ترین ایکٹنگ کر رہا تھا۔ اچانک وہ بری طرح چونک پڑا جب اس نے لیبارٹری کا دروازہ زمین سے ابھرتا دیکھا۔ لیکن فوراً ہی یوں لاپرواہی سے زمین کھودنے لگا۔ جیسے اس نے اس طرف دیکھا ہی نہ ہو۔

پھر جب دروازہ پوری طرح باہر نکل آیا تو وہ یک دم اچھلا اور کار میں بیٹھنے کے لئے بھاگا۔ کار میں بیٹھ کر ابھی اس نے کار کا دروازہ بند کیا ہی تھا کہ یک دم ایک فولادی جال پر اس پر آپڑا اور کار گھسٹ کر اس دروازے کی طرف جانے لگی۔ تھوڑی دیر میں کار دروازے کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ شکر تھا کہ الٹی نہیں تھی۔ بہرحال جیسے ہی دروازے میں پہنچی پھر خود کار لفٹ کے ذریعے وہ ڈاکٹر جوہر کی رہائش گاہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اب جال کار سے غائب ہو چکا تھا اور ڈاکٹر جوہر کار کے دروازے کی طرف پستول کئے صفدر کو باہر آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

صفدر چپکے سے باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر جوہر نے صفدر کو ہاتھ اوپر اٹھانے کے لئے کہا اور خود اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کا ریوالور نکال لیا۔ اب وہ صفدر کو پستول کی نالی پر ڈرائنگ روم میں لے گیا۔

جیسے ہی صفدر اور ڈاکٹر جوہر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، عمران اور کیپٹن شکیل کار سے باہر نکل آئے اور احتیاط سے اندر چھلانگ لگا کر ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے۔ ڈرائنگ روم خالی تھا۔ شائد ڈاکٹر جوہر صفدر کو آگے لے جا چکا تھا۔ دونوں آہستہ سے ڈرائنگ روم میں

گھس گئے اور عمران نے دوسرے دروازے سے آہستہ سے سر نکال کر آگے دیکھا تو ڈاکٹر جوہر صفدر کو لے کر ایک اور راہداری میں مڑ رہا تھا۔ اس نے کیپٹن شکیل کو اشارہ کیا اور دونوں دبے پاؤں ڈاکٹر جوہر کے پیچھے چل دیئے۔ وہ بے حد محتاط تھے کہیں ڈاکٹر ان کے پاؤں کی چاپ نہ سن لے۔ اس طرح بنا بنایا کھیل بگڑ بھی سکتا تھا۔

ایک راہداری سے مڑ کر وہ ایک بہت بڑے ہال میں گھس گئے۔ یہاں ڈاکٹر نے صفدر کو ایک شیشے کے بنے ہوئے کیبن میں بند کر دیا اور وہ ابھی مڑ ہی رہا تھا کہ اچانک عمران نے اچھل کر پستول کا دستہ زور سے ڈاکٹر جوہر کے سر پر مارا اور ڈاکٹر جوہر بغیر کوئی آواز نکالے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"ارے بودا آدمی نکلا یہ تو پہلے ہی وار میں ڈھیر ہو گیا"

عمران نے حیرت سے اچھلتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل نے جھک کر ڈاکٹر جوہر کی نبض دیکھی کہ کہیں مر تو نہیں گیا لیکن شکر تھا کہ ڈاکٹر صرف بے ہوش تھا۔ اب وہ اطمینان سے لیبارٹری کی چھان بین کر سکتے تھے۔ پھر عمران نے ڈاکٹر کو اٹھا کر ڈرائنگ روم میں لٹا دیا۔

ادھر صفدر شیشے کے کیبن میں بند شائد انہیں پکار رہا تھا۔ کیوں کہ اس کے ہونٹ ہلتے تو انہیں نظر آ رہے تھے لیکن آواز نہیں آ رہی تھی۔

"پیارے صفدر۔ اب تم تو یہیں کھڑے رہو۔ ہم تو چلے"۔ عمران نے ہانک لگائی۔

مگر صفدر کے پلے کچھ نہیں پڑا۔ آخر عمران نے صفدر کو آزاد کرانے کے لئے شیشے کے کیبن کو بغور دیکھنا شروع کر دیا۔ لیکن اس میں کوئی دروازہ نہیں تھا نہ ہی کوئی چیز ایسی تھی جس سے کیبن کے کھلنے کا کوئی جواز پیدا ہو سکتا ہو۔ کیپٹن شکیل اور عمران آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور ٹھونک بجا بجا کر شیشے کو دیکھ رہے تھے لیکن شیشہ بھی بلٹ پروف تھا۔ آخر کیپٹن شکیل کو ایک جگہ ذرا سی ابھری ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے زور سے دبایا تو ایک ہلکی سی آواز سے کیبن کا ایک شیشہ الگ ہو گیا اور صفدر باہر نکل آیا۔

اب وہ تینوں تیزی سے اس راہداری کی طرف بڑھے جس کے ایک کمرے میں داخل ہو کر عمران نے خفیہ راستہ ڈھونڈا۔ جب وہ اس کمرے میں پہنچے تو کمرے کا دروازہ ذرا سا بند تھا۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو کمرہ حسب معمول خالی تھا۔ عمران نے فوراً اچھل کر روشندان کی مخصوص ٹیڑھی سلاخ کو کھینچا تو کمرے کی دیوار ہٹ گئی۔ وہ تینوں ایک اور کمرے میں پہنچ گئے۔ جیسے ہی وہ اس کمرے میں پہنچے دیوار دوبارہ اپنی جگہ پر آ گئی۔ اس کمرے میں اندھیرا تھا۔ عمران نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور کمرے میں لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا پھر بٹن دباتے ہی کمرہ روشنی میں نہا گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جس میں پرانے زمانے کا فرنیچر تھا۔ فرش پر ایک خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کمرے کا اور کوئی دروازہ نہیں تھا۔ کمرے کے قالین پر ہلکی ہلکی گرد جمی ہوئی تھی۔ اور فرنیچر کا بھی یہی

حال تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کافی دنوں سے اس میں کوئی نہیں آیا۔ عمران، صفدر اور کیپٹن شکیل حیرانی سے کمرے کو دیکھ رہے تھے۔ کیوں کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا کہ اسے خفیہ طور پر بنایا گیا ہے۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ شائد اس میں بھی کوئی اور خفیہ دروازہ ہوگا۔ چنانچہ وہ تینوں دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھنے لگے۔ لیکن کافی دیر کی محنت کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

آخر عمران کے ذہن میں ایک تجویز آئی۔ اس نے کیپٹن شکیل اور صفدر سے کہا کہ یہ صوفہ سیٹ ذرا دیوار سے لگا دیں۔ شائد قالین کے نیچے کوئی خفیہ راستہ ہو۔ چنانچہ سب نے مل کر ان صوفہ سیٹوں کو ایک طرف لگا دیا۔

جب انہوں نے اس قالین کو ہٹایا تو نیچے لکڑی کا ایک بہت بڑا تختہ فرش میں جڑا ہوا تھا۔ تھوڑی سی محنت کے بعد وہ تختہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔

نیچے ایک زینہ تھا۔ وہ زینہ ایک بہت بڑے ہال میں جا کر ختم ہوا۔ جہاں ہر طرف الماریاں ہی الماریاں تھیں۔ ایک الماری کو کھولا تو اس میں فائلیں تھیں۔ عمران نے جب ان فائلوں کو کھول کر دیکھا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ کیوں کہ ان میں بیش بہا فارمولے درج تھے جو شائد ڈاکٹر جوہر کا آئندہ پروگرام تھا۔

باقی الماریوں میں سائنسی موضوع پر نادر ترین کتابیں تھیں۔ شائد یہ ڈاکٹر جوہر کی لائبریری تھی۔ واقعی ایک سائنسدان کے لئے یہ ایک

بیش بہا خزانے کا درجہ رکھتی تھی۔ لیکن عمران کے مطلب کی کوئی چیز ان میں سے برآمد نہ ہو سکی۔ اس لئے وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے اور پھر پہلے والے طریقے سے دوبارہ راہداری میں پہنچ گئے۔

’’عمران صاحب۔ اتنی محنت کا نتیجہ کیا نکلا۔‘‘ ـــــ صفدر نے منہ بنا کر کہا۔

’’کل کے اخبار میں پڑھنا۔‘‘ ـــــ عمران نے بھی منہ بناتے ہوئے کہا۔

’’کیا مطلب۔‘‘

صفدر اخبار کا نام سن کر چونک پڑا۔

’’مطلب یہ کہ نتیجے تو اخبار میں ہی نکلا کرتے ہیں۔‘‘ ـــــ عمران نے سادہ سا جواب دیا اور صفدر دوبارہ منہ بنا کر رہ گیا۔

اب وہ تینوں راہداری سے گزر کر ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری میں پہنچ گئے۔ لیبارٹری بہت وسیع و عریض تھی اور بالکل ماڈرن سائنسی آلات سے مزین۔ عمران تھوڑی دیر ہر مشین کے پاس ٹھہرا لیکن پھر مایوس ہو کر سر ہلاتا رہا۔ صفدر اور کیپٹن شکیل حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے کہ آخر عمران کو کس چیز کی تلاش ہے۔ پھر عمران کافی دیر تک لیبارٹری کے درمیان پڑی ہوئی ایک بہت بڑی مشین کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔

’’چلو چلیں۔‘‘ ـــــ اچانک عمران نے مڑ کر دونوں سے کہا۔

اور وہ تینوں لیبارٹری سے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ڈاکٹر جوہر ابھی

تک بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

’’اب لیبارٹری سے باہر نکلیں کیسے۔‘‘ ـــــ صفدر نے عمران سے پوچھا۔

’’قصہ چہار درویش کا پڑھا ہے۔‘‘ ـــــ عمران نے صفدر سے پوچھا۔

’’قصہ چہار درویش کی یہاں کیا تک ہے۔‘‘ ـــــ صفدر نے حیرانی سے پوچھا۔

’’نہیں ہے تو بنا دیں گے۔‘‘ ـــــ عمران نے درویشانہ انداز میں کہا۔

’’آخر اس بے تکی ہانکنے سے تمہارا مطلب کیا ہے۔‘‘

آج صفدر کچھ زیادہ ہی جھنجھلایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

’’مطلب یہ کہ جس طرح چہار درویش قبرستان میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو اپنی داستانیں سناتے ہیں اور ان کی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ کیوں نہ ہم بھی یہی طریقہ اختیار کریں۔ شائد اللہ تعالیٰ باہر جانے کی کوئی سبیل بنا دے۔ یا کوئی بزرگ خضر ہمیں راستہ بتا دیں۔‘‘

عمران بولتا چلا گیا۔

’’عمران صاحب۔ خدا کے لئے بور نہ کیجئے۔ ایک تو پہلے ہی خوامخواہ پریشانی اٹھانی پڑی اوپر سے آپ کی بے تکی باتیں سن سن کر کان پک گئے ہیں۔‘‘ ـــــ صفدر نے عمران کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کرو صفدر، ابھی کان ہی پکے ہیں۔ کہیں ناک نہیں پکی۔ نہیں تو ہوا گرم ہو کر تمہارے اندر پہنچتی اور تم بھی عاشقوں کی طرح سینہ چاک کیے صحرا میں پھرتے نظر آتے۔''

عمران نے صفدر کو پھر گھسیٹنا شروع کر دیا۔

''عمران صاحب۔ میرے خیال میں باہر نکلنے کی کوئی ترکیب نکالنی چاہیے۔'' ______ آخر کیپٹن شکیل کو دخل اندازی کرنا پڑی۔

''یار کیا ضرورت ہے۔ یہاں بھی اللہ روزی دے ہی دے گا۔ خواہ مخواہ باہر جا کر ایکسٹو کے حکم سے بھاگ دوڑ کرتے پھریں۔'' عمران نے کیپٹن شکیل کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا مگر کیپٹن شکیل عمران کی بات سن کر ہنس پڑا۔

''اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ میں ذرا لیبارٹری کا چکر لگا آؤں۔'' عمران نے مڑتے ہوئے کہا۔

''اب لیبارٹری میں جا کر کیا کرو گے۔'' ______ صفدر چپ نہ رہ سکا۔

''چلہ کاٹوں گا تاکہ کالا جن آ کر ہمیں یہاں سے نجات دلائے۔''

یہ کہہ کر عمران لیبارٹری میں گھس گیا۔ وہ پہلے ہی چیک کر چکا تھا کہ کون سی مشین کے ذریعے لیبارٹری کا دروازہ کھلتا اور بند ہوتا ہے۔ یہ مشین کلاک سسٹم کی طرح بنائی گئی تھی۔ اس مشین پر وقت کا الارم لگا دیا جاتا اور اس ٹائم پر دروازہ کھل جاتا تھا یا بند ہو جاتا تھا۔ اس سے یہ سہولت تھی کہ ڈاکٹر کو اگر کبھی باہر جانا ہوتا تو وہ مشین کو مخصوص وقت پر سیٹ کر

دیتا اور اس طرح ڈاکٹر آٹومیٹک طریقے سے اندر باہر آ جا سکتا تھا۔

عمران نے بھی پانچ منٹ بعد کا الارم لگا کر مشین آپریٹ کر دی اور پھر بھاگتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کی کار لیبارٹری سے باہر مین روڈ پر دوڑ رہی تھی۔

آج جوزف کا موڈ صبح سے ہی خراب تھا ۔کیونکہ آج زندگی میں
پہلی بار اسے شراب سے نفرت ہو گئی تھی۔حالانکہ اب تک وہ اپنے حلقے
میں شراب نوشی کے سلسلے میں مثال سمجھا جاتا رہا تھا۔سارا دن وہ شراب
پیتا رہتا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو رات کو نیند کے دوران بھی شراب
پیتا رہتا۔اگر کبھی ایسا موقعہ آ جاتا کہ اسے چند گھنٹوں کے لئے شراب
نہ ملتی تو وہ کینچوے سے بھی بدتر ہو کر رہ جاتا۔اسے حیرت تھی کہ لوگ
بغیر شراب پیئے زندہ کیسے رہتے ہیں۔شراب اب اسکی زندگی بن کر رہ
گئی تھی۔یہ اور بات تھی کہ سارا دن لگاتار شراب پینے کے باوجود اسے
نشہ نہیں ہوتا تھا۔

لیکن آج اسکی طبیعت شراب پینے کو نہیں کر رہی تھی۔عموماً انسان
جس چیز کا استعمال بے انتہا کثرت سے کرے تو چند لمحے ایسے بھی
آ جاتے ہیں جب اسے اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔اور یہی آج

جوزف کے ساتھ بھی ہوا۔اس نے صبح اٹھتے ہی شراب کا پیگ بنا
حسب معمول پینا چاہا لیکن جیسے ہی شراب کا پیگ منہ کے نزدیک آ
اس کی طبیعت بدل گئی۔اس نے شراب کا پیگ واپس رکھ دیا۔اسے
یوں لگا جیسے وہ آج تک غلط کام کرتا چلا آیا ہے۔

شراب تو اس نے نہیں پی لیکن طبیعت پر نا معلوم اداسی چھا گئی
اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر وجہ کیا ہے۔خواہ مخواہ طبیعت گھٹتی
رہی تھی۔اس نے سوچا شاید ایسا شراب نہ پینے کی وجہ سے ہو۔اس لئے
اس نے طبیعت پر جبر کر کے ایک پیگ اپنے اندر انڈیل لیا۔

اس نے سوچا آج شہر کی سیر کی جائے۔کافی عرصہ ہوا تھا وہ شہر نہ
سکتا تھا کیونکہ رانا پیلس کی چوکیداری اس کے سپرد تھی۔جب تک طاہر
رانا پیلس میں موجود رہتا وہ بڑی مستعدی سے پہرہ دیتا لیکن جب
طاہر رانا پیلس سے غائب ہوتا تو وہ بس سارا دن شراب ہی پیتا رہتا۔

آجکل طاہر کہیں غائب تھا۔اس لئے اس نے شہر کی سیر کرنے کی
ٹھانی۔اس نے ایک نیا خوبصورت سوٹ جو اسے پچھلی کرسمس پر عمران
نے بنوا کر دیا تھا۔الماری سے نکالا،اسے پہنا۔دونوں ریوالور پینٹ کی
سائیڈوں پر لگائے اور رانا پیلس کو تالا لگا کر باہر نکل آیا۔

سوٹ اس پر بڑا جچ رہا تھا۔شاندار کسرتی جسم،بلند و بالا قد اور
مضبوط ہاتھ پاؤں ہونے کی وجہ سے وہ جسمانی طور پر بے حد جیہہ
لگ رہا تھا۔پھر دونوں سائیڈوں پر لگے ہوئے ریوالوروں نے اس کی
وجاہت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔وہ پیدل سیر کرتا ہوا دارالحکومت کی

مصروف ترین سڑک پر نکل آیا۔لوگوں کا جم غفیر ہر طرف رواں دواں تھا۔کاریں،موٹرسائیکلیں سڑک پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔یہ نظارہ جوزف کے لئے اچھا اور دلچسپ ثابت ہوا۔اور آہستہ آہستہ اس کی طبیعت پر چھائی ہوئی اداسی دور ہونے لگی۔اور وہ اپنے آپ کو چاک و چوبند محسوس کرنے لگا۔زندگی کی بھر پور روانی نے اسکی طبیعت پر اچھا اثر ڈالا تھا۔وہ دلچسپی سے چاروں طرف دیکھتا ہوا سڑک پر نکل آیا۔جہاں کچھ سکون تھا۔کیونکہ یہ علاقہ مین روڈ سے ہٹ کر تھا۔اس سڑک پر اسے چند اچھے ہوٹل نظر آئے اس نے ایک ہوٹل کی وسیع و عریض بلڈنگ پر نظر ڈالی اور کچھ سوچ کر اندر داخل ہو گیا۔دربان اس کی وجاہت دیکھ کر بہت مرعوب ہوا۔اس نے دروازہ کھول کر سلام کیا۔

جوزف دل میں فخر کا احساس لئے اندر داخل ہوا۔ہوٹل کے ہال میں بیٹھے ہوئے جن لوگوں نے بھی اس پر نظر ڈالی وہ اس کی وجاہت سے مرعوب ہوئے بغیر رہ نہ سکے۔عورتوں کی نظروں میں اس کے لئے خاص طور پر پسندیدگی کے تاثرات ابھر آئے۔لیکن جوزف سب سے بے نیاز کونے میں رکھی ہوئی ایک خالی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔اس نے کرسی ذرا کھسکائی اور پھر مین گیٹ کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔اس کے بیٹھتے ہی ایک ویٹرس اس کی طرف لپکی۔

''آپ کے لئے کیا حاضر کروں۔''_____خوبصورت ویٹرس نے سر کو جھکاتے ہوئے کہا۔

لیکن جوزف اسکی شکل دیکھتے ہی بھڑک اٹھا۔اسے عورتوں اور خاص

طور پر خوبصورت عورتوں سے خدا واسطے کا بیر تھا۔اس کا بس نہیں چلتا تھا۔ورنہ وہ دنیا سے خوبصورت عورتوں کا وجود ہی ختم کر دیتا۔اس نے ہاتھ اٹھا کر ویٹرس سے کہا۔

''جاؤ کسی مرد کو بھیجو۔''

''مرد''_____ویٹرس نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ہاں مرد۔میں کوئی یونانی نہیں بول رہا ہوں۔جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔خوامخواہ نخرے کرنے سے فائدہ؟''

جوزف کا موڈ پھر آف ہونے لگا۔

''لیکن مرد نامی چیز ہوٹل میں نہیں بکتی۔''_____ویٹرس شاید جوزف کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

''تو میں کیا تمہیں خرید وفروخت کے لئے کہہ رہا ہوں''

جوزف ہتھے سے ہی اکھڑ گیا۔

''جی۔جی۔''_____ویٹرس گھبرا گئی۔

ہنگامہ ہوتے ہوئے دیکھ کر سب لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔پھر منیجر بھی پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے ڈولی۔''_____منیجر نے ویٹرس سے پوچھا۔

''یہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ مجھے مرد چاہیے۔''_____ویٹرس نے پریشان لہجے میں منیجر سے حقیقت بیان کی۔

''کیا مطلب۔''_____منیجر کے ساتھ دوسرے لوگ بھی حیرانی سے جوزف کو دیکھنے لگے۔

"اب آپ بھی مطلب پوچھنے آگئے ہیں۔یہ ہوٹل ہے یا بھٹیار خانہ۔" ______ جوزف نے منیجر کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر تم ہوش میں ہو یا نہیں۔تمیز سے بات کرو۔" ______ منیجر نے بھی آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

پھر کیا تھا۔جوزف کی رگ باکسنگ پھڑک اٹھی۔ایک زور دار مکا منیجر کے منہ پر پڑا اور منیجر اچھل کر چند فٹ کے فاصلے پر گرا۔سب جمع شدہ لوگ گھبرا کر پیچھے ہو گئے۔جوزف کے ایک ہی مکے نے منیجر کے منہ سے خون نکال دیا تھا۔لیکن منیجر بھی اچھے تن و توش کا آدمی تھا۔وہ جھپٹ کر اٹھا اور جھٹکے سے اس نے ایک کرسی اٹھا کر جوزف کے سر پر دے ماری۔جوزف نے ڈاج دینے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کرسی پھینکی ہی اس زاویے سے گئی تھی کہ جوزف کے بچتے بچتے بھی وہ اس کے سر سے ٹکرا گئی۔جوزف کے ماتھے سے خون ابل پڑا۔زخم حالانکہ معمولی نوعیت کا تھا۔لیکن اس میں سے نکلنے والا خون چشمے کی طرح ابل رہا تھا۔شاید کوئی رگ کٹ گئی تھی۔

جوزف کا منہ خون سے بھر گیا۔پھر تو جوزف پر خون سوار ہو گیا۔اس نے لپک کر منیجر کا گریبان پکڑ لیا۔اور پھر ایک ہی جھٹکے میں جوزف نے منیجر کو سر سے اوپر اٹھا لیا اور پھر ایک زوردار آواز سے منیجر دو میزوں کے اوپر سے ہوتا ہوا فرش پر آگرا۔جوزف نے ایک ہی ہاتھ سے درمیان کی میزیں الٹ دیں اور منیجر کے فرش سے اٹھنے سے پہلے ہی اس پر چھلانگ لگا دی اور زمین پر پڑے کراہتے ہوئے منیجر پر دو

تین مکے اور پڑ گئے۔پڑے جوزف غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔ہال میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔لوگ شور مچا رہے تھے۔کوئی چیخ رہا تھا کہ پولیس کو فون کرو۔کوئی کچھ کہہ رہا تھا لیکن کسی کو ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ جوزف کو آن پکڑے۔اچانک ایک آواز گونجی۔

"ارے۔ہاہیں ہاہیں۔یہ کیا عورتوں کی طرح لڑ رہا ہے۔"

سب ہی اس آواز کی طرف متوجہ ہو گئے۔لیکن جوزف پر اس کی آواز کا شدید ردعمل ہوا۔کیونکہ وہ عمران کی آواز ہزاروں میں سے پہچان سکتا تھا۔وہ فوراً منیجر کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔اس کے سارے چہرے پر خون پھیلا ہوا تھا۔خون کی چادر کے نیچے اس کی غصے سے سرخ آنکھیں بری طرح چمک رہی تھیں۔

"ارے جوزف تم" ______ عمران اس حالت میں جوزف کو سامنے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔اس نے ایک نظر نیچے پڑے ہوئے منیجر کی طرف دیکھا۔جو فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔

"باس۔اس نے میرے سر پر کرسی دے ماری تھی۔"

جوزف نے عمران کو بتایا۔

"چلو منہ دھوؤ۔" ______ عمران نے جوزف کو حکم دیا اور منیجر کو فرش سے اٹھا کر میز پر ڈال دیا۔اتنے میں پولیس پولیس کا شور اٹھا۔اور پھر ایک سب انسپکٹر دس پندرہ سپاہیوں کے ساتھ دندناتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔سب انسپکٹر نے ایک نظر سارے ہال پر ڈالی اور پھر تیر کی طرح اس طرف آیا جہاں میز پر منیجر بے ہوش پڑا تھا اور عمران اس کی

نبض ہاتھ میں پکڑے ایسے نظر آ رہا تھا جیسے ڈاکٹر کسی مریض کا معائنہ کر رہا ہو۔

"کیا بات ہے مسٹر۔"

سب انسپکٹر نے عمران سے تلخی سے کہا۔شاید وہ عمران سے واقف نہیں تھا۔

"میں نے سمجھا یہ مر گیا ہے۔مگر یہ تو صرف بے ہوش ہے۔"

عمران نے مضحکہ خیز انداز میں منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تم نے اسے مارا ہے۔"ــــــ سب انسپکٹر نے ہونٹ چباتے ہوئے ایک نظر منیجر پر ڈالی۔

"ارے اگر میرے یہ ہاتھ لگ جاتا تو زندہ نہ رہتا۔"

عمران نے پہلوانوں کی طرح اپنے بازو کو تھپکتے ہوئے کہا۔

"اسے گرفتار کرلو۔"ــــــ سب انسپکٹر نے ایک سپاہی کی طرف مڑ کر کہا۔

"لیکن کس خوشی میں"ــــــ عمران نے ایسے پوچھا جیسے کسی کو غیر متوقع انعام مل رہا ہو۔

"یہ سب کچھ تھانے جا کر بتاؤں گا۔"ــــــ سب انسپکٹر نے جواب دیا اور ایک سپاہی کی طرف مڑ کر کہا۔

"فوراً ایمبولینس کو فون کرو۔اس کی حالت خراب ہے۔"

"خبردار اگر آگے بڑھے۔"ــــــ عمران نے سپاہی کو ہتھکڑی لئے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"انسپکٹر صاحب۔ مارنے والے یہ نہیں تھے۔"ــــــ ایک آدمی نے مداخلت کرتے ہوئے انسپکٹر کی توجہ جوزف کی طرف دلائی جو واش روم سے منہ دھو کر اسی طرف آ رہا تھا۔

سب انسپکٹر جھٹکے سے جوزف کی طرف بڑھ گیا۔

"تم نے اسے کیوں مارا۔"ــــــ سب انسپکٹر نے انتہائی درشت لہجہ میں کہا۔

"میری مرضی۔"

جوزف نے لاپرواہی سے کہا۔وہ عمران کو وہاں موجود پا کر لاپرواہ ہو گیا تھا۔

"اسے گرفتار کرلو۔"

سب انسپکٹر نے دو سپاہیوں کو حکم دیا اور دونوں سپاہی جوزف کی طرف بڑھے۔

"انسپکٹر صاحب۔ کیا آپ مجھے جانتے ہیں۔"ــــــ عمران نے صورت حال بگڑتے دیکھ کر سب انسپکٹر کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"تم کون سے گورنر لگے ہو۔"

"تم نے ابھی تک اسے گرفتار نہیں کیا۔"ــــــ سب انسپکٹر نے سپاہی پر بگڑتے ہوئے کہا جو شاید شش و پنج میں مبتلا وہیں کھڑا تھا۔

عمران نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا اور سب انسپکٹر کے سامنے کر دیا۔ سب انسپکٹر نے لاپرواہی سے اس پر نظر ڈالی لیکن پھر چونک پڑا۔

اس کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے فوراً اٹن شن ہو کر عمران کو سیلوٹ مار دیا۔ سپاہیوں نے بھی جب اپنے آفیسر کو اس حالت میں دیکھا تو ان کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں چھوٹ کر نیچے گر پڑیں اور انہوں نے بھی جھٹ سے سیلوٹ مار دیا۔ لوگ حیرت سے عمران کو دیکھنے لگے۔

''کوئی بات نہیں انسپکٹر تم جاؤ۔ اس زخمی نے میرے آدمی پر کرسی دے ماری تھی۔''

''بہتر سر'' ـــــــ انسپکٹر نے جھٹ سے ایک سیلوٹ اور مارا۔

وہ عمران سے بے حد مرعوب معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ عمران کے کارڈ پر صرف ایک سرخ رنگ کا دائرہ بنا ہوا تھا جو سی آئی ڈی کے اعلیٰ آفیسر کا مخصوص نشان تھا۔ ایسے بہت سے کارڈ عمران کی جیب میں پڑے رہتے تھے۔

''چلو جوزف چلیں۔'' ـــــــ عمران نے جوزف کو اشارہ کیا اور خود مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ جوزف بھی اکڑتا ہوا عمران کے پیچھے چل پڑا۔ اس طرح وہ دونوں ہال سے باہر نکل آئے۔ یہاں عمران کی ٹو سیٹر کھڑی تھی۔ عمران اور جوزف اس میں بیٹھ گئے اور کار آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی ہوٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل آئی۔

''اب بتاؤ کیا بات تھی۔'' ـــــــ عمران نے جوزف سے مخاطب ہو کر کہا۔

''باس۔ صبح سے میں نے شراب نہیں پی۔'' ـــــــ جوزف نے جواب دیا۔ کیونکہ اب اسے شدت سے شراب کی طلب ہو رہی تھی۔

''ارے او شب تار کے بچے۔ میں تجھ سے کیا پوچھ رہا ہوں اور تو اپنی ہی ہانک رہا ہے۔'' ـــــــ عمران نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''باس۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے آج صبح سے شراب نہیں پی۔''

جوزف پھر اسی لہجہ میں بولا۔

''نہیں میں نہیں مان سکتا۔'' ـــــــ عمران سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جوزف نے صبح سے شراب نہیں پی ہو گی۔ کیونکہ اس کے علم کے مطابق جوزف اب تک چھ بوتلیں پی چکا ہو گا۔

''ہاں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' ـــــــ جوزف نے فدویانہ انداز میں کہا۔

''کیوں۔ کیا شراب کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے۔'' ـــــــ عمران پر حیرت کا پھر سے دورہ پڑا۔

''نہیں باس۔ بس دل نہیں چاہا۔'' ـــــــ اور پھر جوزف نے عمران کو ساری تفصیل بتا دی۔

''اب پینے کو دل چاہتا ہے۔'' ـــــــ عمران نے پوچھا۔

''باس اب دل چاہتا ہے کہ شراب کا پورا ڈرم پی جاؤں۔''

''ارے مر گیا۔ میں یہ سوچ کر خوش ہوا تھا کہ چلو تم آدمی بن گئے ہو۔ میں اس خوشی میں جی بھر کر خوشیاں مناؤں گا۔ مگر تم تو میرا بیڑہ غرق کرنے پر تلے بیٹھے ہو۔''

جوزف چپ رہا۔ وہ جواب بھی کیا دیتا۔ اتنی دیر میں کار رانا پیلس

پہنچ چکی تھی۔عمران نے اسے نیچے اتارا۔

''چلو اب اندر بھاگ جاؤ اور آئندہ میری اجازت کے بغیر رانا پیلس کو تالا لگا کر کہیں نہیں جانا۔'' ـــــــ یہ کہہ کر عمران نے ٹوسیٹر واپس موڑ لی اور جوزف شانے اچکا کر کوٹھی کا پھاٹک کھولنے لگا۔

آج کی صبح غیر معمولی طور پر کہر آلود تھی۔سارے شہر پر دبیز کہر کی ایک چادر تنی ہوئی تھی۔ دھند اس قدر زیادہ تھی کہ چار فٹ کے فاصلے پر بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ کہر کی وجہ سے شاید سردی بھی معمول سے زیادہ تھی۔مزدور اور ملازم پیشہ لوگ دھند میں بھی کسی نہ کسی طرح اپنے اپنے دفتر میں جا رہے تھے اور امیر لوگ سوچ رہے تھے کہ کہر چھٹے تو وہ بھی اپنے اپنے کام پر جائیں۔

لیکن دھند کم ہونے کی بجائے لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔جو لوگ گھر سے باہر نکل چکے تھے وہ راستہ بھول کر ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔اب وہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ نہ تو واپس گھر جا سکتے تھے نہ دفتروں میں۔

دھند میں کسی نہ کسی کار کی ہیڈ لائٹس چمک رہی تھی۔لیکن اس کی چمک بھی لائٹر کے شعلے سے زیادہ نہ تھی۔تھوڑی دیر تک لوگ دھند کے

چھٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ پھر ان میں بے چینی پھیل گئی۔ کیونکہ دھند کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی۔لوگوں نے گھروں کی بتیاں جلا دیں تھیں۔

محکمہ موسمیات کے دفتر میں فون کی گھنٹیاں بج رہی تھی۔ لوگ دھند کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔لیکن وہ انہیں کیا بتاتے کیونکہ انہیں خود اس کی وجہ معلوم نہیں تھی۔ ان کے آلات کے مطابق دھند کی کوئی وجہ نہیں تھی۔اس لئے وہ بھی کچھ بتانے سے معذور تھے۔

لوگوں کی بے چینی بڑھتے بڑھتے اضطراب میں تبدیل ہو گئی۔ کیونکہ اب یہ دھند گھروں میں داخل ہونے لگی تھی۔ لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ دھند کو گھروں میں داخل ہونے سے روکیں لیکن وہ کس کس سوراخ کو بند کرتے۔ چھوٹے سے چھوٹے سوراخ سے بھی دھند اندر گھس رہی تھی۔

پھر اچانک شہر میں لگے ہوئے سائرن زوردار آوازوں سے بجنے لگے۔ یہ خطرے کے سائرن تھے۔ شاید حکام نے کسی ممکن خطرے سے بچنے کے لئے انہیں بجایا تھا۔کیونکہ اب حکام کو بھی اس دھند کے غیر معمولی ہونے کا احساس ہو گیا تھا۔ سائرن بجنے سے پہلے شہر میں بھی کچھ سکون تھا لیکن سائرنوں کے بجتے ہی ہر جگہ شور مچ گیا۔ ہر شخص اپنے اپنے کمروں میں دبکا مختلف آراء قائم کر رہا تھا۔

کوئی کہتا کہ شاید ہوائی حملہ ہو گیا ہے اور کوئی اسے کسی سرپھرے سائنسدان کا تجربہ بتاتا۔غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں تھیں۔

پھر اس شور میں اور بھی اضافہ ہو گیا جب لوگوں نے دھند کا رنگ بدلتے دیکھا۔ سفید دھند آہستہ آہستہ سرخ رنگ میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس کا رنگ گہرا سرخ ہو گیا اور اب لوگوں کے چاروں طرف سرخی ہی سرخی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے سارا دارالحکومت خون کے سرخ سمندر میں ڈوب گیا ہو۔

توہم پرست اور کمزور عقیدوں کے لوگوں نے اسے خدا کا عذاب سمجھا اور وہ خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی معافیاں مانگنے لگے۔ اب دھند کا رنگ اتنا سرخ ہو چکا تھا کہ لوگوں کے لئے دیکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن کب تک۔ آہستہ آہستہ ان کی آنکھوں میں بھی سرخی چھا گئی اور پھر یہ سرخی سیاہی میں تبدیل ہو گئی۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید اب دھند کا رنگ سیاہ ہو چکا ہے۔

درحقیقت وہ تو اندھے ہو چکے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دھند غائب ہونا شروع ہو گئی اور پھر سورج کی روشنی سے سارا شہر منور ہو گیا۔ لیکن لوگوں کی نظروں کے سامنے ابھی بھی اندھیرا تھا۔ وہ اندھوں کی طرح اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔

آہستہ آہستہ ان کی آنکھوں سے سیاہی دور ہونے لگی اور پھر تقریباً دو گھنٹے بعد لوگ پوری طرح دیکھنے کے قابل ہو گئے۔ اب ہر چیز پہلے کی طرح صاف اور روشن تھی۔ لوگ مختلف چہ میگوئیاں کرتے ہوئے

گھروں سے باہر نکل آئے۔

شہر میں طرح طرح کی افواہیں اڑنے لگیں۔ کسی کی سمجھ میں بھی صحیح بات نہیں آتی تھی۔ پھر سڑکوں پر پولیس کی گاڑیاں لاؤڈ سپیکر لگائے ہوئے نکل آئیں اور لوگوں کو اپنے اپنے کاموں پر جانے کی تلقین کرنے لگے لیکن لوگ اسی بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہوئے جارہے تھے۔ روشنی واپس آنے کے ایک گھنٹے کے بعد شہر کا نظام پوری طرح جاری ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد اخباروں کے خاص ضمیمے گلی کوچوں میں پھیل گئے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو دھند کے متعلق بتانے لگے۔

لوگ دھند کے ساتھ ساتھ یہ پڑھ کر حیران رہ گئے کہ اس دھند کے دوران دارالحکومت کے آٹھ بڑے بنک لٹ چکے تھے۔ ہزاروں گاڑیاں سڑکوں پر الٹی پڑی تھیں۔ کئی لوگ گاڑیوں سے ٹکرا کر مر چکے تھے۔ سب سے حیرت کی بات یہ تھی کہ شہر کے مرکزی ٹاؤن پر لگا ہوا بڑا کلاک بھی غائب تھا۔

دارالحکومت کے ڈپٹی کمشنر اور تین چار اور بڑے حکام جن میں پولیس کے اعلیٰ حکام بھی شامل تھے اپنے اپنے گھروں میں مردہ پائے گئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو۔

ان خبروں سے شہر میں ہر طرف شور مچ گیا۔ اب افواہوں کا رخ مجرموں کی سرگرمیوں کی طرف ہوگیا تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے اندازے کے مطابق باتیں بنا رہا تھا۔ شہر میں ایک بار پھر ابتری پھیلنے لگی۔ تھوڑی

دیر بعد دوبارہ دھند چھانے لگی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا دھند کا روپ دھار رہی ہو۔ لوگ افراتفری میں بے تحاشہ اپنے گھروں کو بھاگنے لگے۔ یہ افراتفری اتنی بڑھی کہ سینکڑوں لوگ ایک دوسرے کے نیچے آ کر کچلے گئے ہزاروں چھوٹے بڑے حادثے ہو گئے۔ پورے شہر کا نظام ابتر ہوگیا۔

ہر طرف چیخ و پکار ہی چیخ و پکار تھی۔ چند ہی منٹوں میں پھر دھند دبیز ہونے لگی۔ آہستہ آہستہ دھند میں سبزی چھانے لگی اور پھر تھوڑی دیر بعد ہر طرف گہرا سبز رنگ چھا گیا۔ لوگ ابھی بھی چیخ رہے تھے شور مچا رہے تھے۔ لیکن اب آہستہ آہستہ ان کا شور مدھم ہو رہا تھا کیونکہ جیسے ہی ان کے منہ کھلتے دھند ان کے منہ میں گھس جاتی اور ایسا محسوس ہوتا جیسے ان کے منہ میں مرچیں لگ گئی ہوں اور پھر ان پر کھانسی کا دورہ پڑ جاتا اور لوگ کھانستے کھانستے پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ کھانسی کی شدت سے ان کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا اور پھر دم گھٹنے لگا۔ آخر لوگ کھانستے کھانستے بے دم ہو کر گرنے لگے۔

اور تھوڑی دیر بعد شہر پر غیر معمولی سکون سا چھا گیا۔ شاید لوگ کھانسی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے تک یہی حالت رہی اور پھر دھند پہلے کی طرح غائب ہو گئی اور آہستہ آہستہ سکون پھر شور میں تبدیل ہونے لگا۔ شائد لوگوں کو ہوش آ رہا تھا۔

دوسری دھند سے شہر میں وہ ابتری مچی کہ الاماں۔ مشکل سے ہی کوئی خوش قسمت گھر ایسا ہوگا جس کے تمام افراد بچ گئے ہوں گے۔ نہیں تو

ان کا کوئی نہ کوئی فرد زخمی ضرور ہو گیا تھا۔ ہر طرف شور وغل کی آوازیں آرہی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ زندگی معمول پر آگئی۔

لیکن اس بے چینی اور اضطراب کو کیا کہیے جس نے ہر شخص کے دل میں ڈیرہ ڈال لیا تھا کہ نجانے اب کیا ہو گا۔ لیکن اب مطلع صاف تھا اور حالات تقریباً معمول پر آچکے تھے۔

دانش منزل کے میٹنگ ہال میں اس وقت سیکرٹ سروس کے تمام ارکان موجود تھے۔ عمران شاید ابھی تک نہیں آیا تھا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے سب لوگ سنجیدہ اور خاموش تھے۔ آج صبح شہر پر جو کچھ گزری تھی۔ اس نے ان کو کافی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سب کسی حد تک پریشان تھے۔ لیکن ان میں ایک شخصیت ایسی بھی تھی جس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں پریشانی کی جھلکیاں موجود تھیں۔ وہ تھا کیپٹن شکیل۔

اچانک وہ سب چونک پڑے۔ جب عمران نے دروازے سے داخل ہوتے ہی سلام کا نعرہ مارا۔

’’کیوں۔۔۔۔ کیا کسی مردے کو دفن کر کے آئے ہو یا دفنانے جانا ہے۔‘‘ ــــــــ عمران نے باری باری سب کے پریشان چہروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ بدستور خاموش تھے۔کسی نے بھی عمران کے مذاق کا جواب نہیں دیا ۔عمران ایک لمحہ کے لئے چپ ہو گیا۔لیکن پھر اس کے چہرے پر لاپرواہی چھا گئی۔

''کچھ بتاؤ بھی سہی تا کہ میں بھی فاتحہ پڑھ سکوں۔''____عمران نے ڈھیٹ بنتے ہوئے کہا۔

''ہر وقت کا مذاق اچھا نہیں ہوتا۔''

جولیا نے تلخی سے کہا۔

''ارے تیرا میرا کونسا مذاق کا رشتہ ہے۔''______عمران نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اور جولیا نجانے کیا سوچ کر چپ ہوگئی۔ پھر عمران بھی منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔لیکن کب تک اس کی زبان پر پھر کھجلی اٹھی۔

''آج خلیفہ تنویر خاموش ہے۔''______عمران نے چہرے پر حیرت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''بکواس بند کرو۔''______تنویر نے نفرت سے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

''ہائیں۔کیا منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔''_____عمران نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

لیکن پھر خاموشی چھا گئی۔

''ہیلو ممبرز۔''

اچانک ٹرانسمیٹر سے ایکسٹو کی آواز ابھری۔

''یس سر۔''______جولیا نے ٹرانسمیٹر کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''سب ممبرز موجود ہیں جولیا۔''

''جی ہاں۔''

جولیا نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''میں نے آپ سب کو اس لئے یہاں اکھٹا کیا ہے کہ آج کے حالات سب کے سامنے ہیں۔شہر میں جس طرح افراتفری اور ابتری پھیلی ہے وہ آپ سب جانتے ہیں۔اس لئے ہمارا اب یہ سرکاری کے علاوہ قومی اخلاقی فرض بھی ہے کہ سب مل جل کر عوام کو اس عذاب سے نجات دلائیں۔میں اس سلسلے میں ایک بہت بڑے خطرے کی بو پا رہا ہوں اور ظاہر ہے ایسی منظم حرکت کوئی بہت بڑا مجرم ہی کر سکتا ہے۔اس لئے ہم سب کو تن من دھن کی بازی اس مہم پر لگانی پڑے گی۔ہو سکتا ہے کہ جب اس عذاب سے نجات پائیں ہم میں سے چند افراد کم ہو چکے ہوں لیکن میں امید کرتا ہوں کہ آپ سب کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔''______ایکسٹو نے بھرائی ہوئی آواز میں تفصیل سے کہا۔

''ہمیں خوشی ہے کہ آپ ہم سے ایسی امیدیں رکھتے ہیں۔''جولیا نے سب کی طرف سے جواب دیا۔

''اچھا اب آپ آئندہ کا پروگرام سن لیں۔''______ایکسٹو کی آواز دوبارہ گونجی۔

"میں نے جہاں تک غور کیا ہے۔ اس دھند کا مرکز ہمارا دارالحکومت ہی محسوس ہوتا ہے۔اس سلسلے میں کسی جگہ کا تعین نہیں کر سکا۔صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ سب سارے شہر میں پھیل جائیں اور ایسے افراد پر نگاہ رکھیں جو آپ کو مشکوک نظر آئیں۔ ہم اس کے بعد ہی کوئی ردعمل کر سکتے ہیں۔ اور آپ سب اب میک اپ میں رہیں گے اور جب تک مجرم گرفتار نہ ہو جائیں آپ سب اپنی رہائش دانش منزل میں رکھیں۔عمران آپ میں موجود ہے۔ اس مہم میں وہ آپ سب کی راہنمائی کرے گا۔ اوور اینڈ آل۔"

اور ٹرانسمیٹر کا بلب بجھ گیا۔ جولیا اٹھ کر صوفے پر آ بیٹھی اور سب کے سب عمران کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن عمران آنکھیں بند کر کے صوفے پر ٹیک لگائے سویا ہوا تھا۔

"عمران صاحب۔"

آخر صفدر کو بولنا پڑا۔

لیکن جواب ندارد۔عمران ویسے ہی اطمینان سے سو رہا تھا۔ سب کے چہرے بگڑ گئے۔ کیونکہ حالات اتنے سنجیدہ تھے اور عمران کا یہ مذاق ان سب پر ناگوار گزر رہا تھا۔لیکن عمران کی فطرت کو کیا کہیں کہ وہ ایسی حرکتوں پر مجبور تھا۔سنجیدہ رہنا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔

آخر جولیا نے غصے سے عمران کے کندھے ہلائے۔

عمران نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بات ہے۔۔۔اب سونے بھی نہیں دیتے۔"

عمران نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"عمران صاحب حالات بڑے نازک ہیں۔ سونے سے کام نہیں چلے گا۔" ______ کیپٹن شکیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"سونے سے کام نہیں چلتا تو اپنے باس سے کہہ کر پلاٹینم منگوا لو۔"

"پلیز عمران صاحب۔" ______ صفدر نے کہا۔

"اچھا تو بتاؤ کیا بات ہے۔" ______ عمران نے اپنے چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے کہا۔

اب اس کے چہرے پر سنجیدگی دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔

صفدر دل ہی دل میں عمران کی صلاحیتوں کا قائل ہو رہا تھا۔ ظالم اتنے غضب کی ایکٹنگ کرتا ہے کہ کوئی شک بھی نہیں کر سکتا۔ اب اسی کو لیجئے عمران کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی جیسے عمران نے آج تک کبھی مذاق کیا ہی نہ ہو۔

"آپ نے ایکسٹو کا پیغام نہیں سنا۔" ______ کیپٹن شکیل نے کہا۔

"سنا ہے۔۔۔میرا خیال میں ایسا کرتے ہیں کہ آپ سب شہر میں بکھر جائیں۔ اپنے حلقے بانٹ لیں اور کوئی خاص بات ہو تو واچ ٹرانسمیٹر کے ذریعے مجھے اطلاع دیں۔صرف صفدر اور کیپٹن شکیل ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری پر پہرہ دیں گے۔"

"آپ کو ڈاکٹر جوہر پر شک ہے۔" ______ صدیقی نے پہلی بار عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

"شک۔۔؟ شک تو مجھے اپنے آپ پر بھی ہے۔کیا میں یہاں موجود بھی ہوں یا نہیں۔" ــــــ عمران پھر پٹڑی بدل رہا تھا۔لیکن پھر نجانے کیا سوچ کر چپ ہو گیا۔

"اب آپ لوگ میک اپ کر لیں۔ میں چلتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عمران دروازے سے باہر نکل گیا۔

اور وہ سب اٹھ کر میک اپ روم کی طرف بڑھنے لگے۔

ملک کے مشہور تاجر حاجی مظفر محمود اپنے شاندار آفس میں بیٹھے تھے کہ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ ایک لمحے کے لئے فون کی طرف دیکھا اور پھر رسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو۔ مظفر بول رہا ہوں۔" ــــــ حاجی صاحب نے کاروباری لہجے میں کہا۔

"ایس ون بول رہا ہوں۔" ــــــ فون سے بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

اس آواز کو سنتے ہی حاجی مظفر بری طرح چونک پڑے۔ انہوں نے ایک نظر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر آواز دبا کر بولے۔

"یس باس۔کیا حکم ہے۔"

"ایس نائن تمہارے پاس پہنچا ہے۔"

"نہیں باس ابھی تک تو نہیں پہنچا۔"

"تم اپنے آفس میں ہی رہنا۔وہ ابھی تمہارے پاس پہنچ جائے گا اور اس کے احکامات پر فوری عمل کرنا۔"

"او کے سر۔"

"او کے۔"

یہ سن کر حاجی صاحب نے رسیور رکھ دیا اور جیب سے رومال نکال کر ماتھے پر چمکنے والے پسینے کے قطرے پونچھنے لگے کچھ لمحے وہ سوچتے رہے پھر انہوں نے میز کے کونے پر لگے بٹن کو ہلکے سے دبایا۔ ایک منٹ کے بعد ایک باوردی چپڑاسی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"صدیق۔اگر کوئی مجھ سے ملنے آئے تو بلا تاخیر اسے میرے پاس لے آنا۔"

"بہتر جناب۔" ــــــ چپڑاسی نے کہا اور سلام کر کے واپس چلا گیا۔

اور حاجی صاحب دوبارہ فائل کی ورق گردانی کرنے لگے۔ آدھے گھنٹے بعد چپڑاسی ایک غیر ملکی کو لئے اندر داخل ہوا۔ حاجی صاحب نے اس غیر ملکی سے ہاتھ ملایا اور اسے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کو کہا پھر چپڑاسی کو چائے لانے کے لئے کہا۔ چپڑاسی باہر نکل گیا۔

"فرمایئے۔" ــــــ حاجی صاحب نے کاروباری انداز میں غیر ملکی سے پوچھا۔

اس غیر ملکی نے جیب سے ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا اور حاجی صاحب کو دے دیا۔

حاجی صاحب نے بغور اس کارڈ کو دیکھا۔ کارڈ بالکل خالی تھا۔ صرف ایک کونے میں دھندلا سا 9 کا ہندسہ لکھا ہوا تھا۔ حاجی صاحب نے اطمینان کی سانس لی اور کارڈ واپس کر دیا۔

"ابھی ابھی باس کا فون آیا تھا۔" ــــــ حاجی صاحب نے غیر ملکی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اچھا۔کیا پوچھ رہے تھے" ــــــ غیر ملکی نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"آپ ہی کے متعلق پوچھ رہے تھے۔"

اتنے میں چپڑاسی نے چائے کی ٹرے لا کر ساتھ والی میز پر رکھی اور پھر چائے بنا کر حاجی صاحب اور غیر ملکی کے سامنے رکھ دی۔

"دیکھو صدیق۔میں مصروف ہوں۔ اب میں کسی سے نہیں مل سکتا۔ اس لئے کوئی شخص بھی آئے تو اسے واپس بھیج دینا اور جب تک میں تمہیں نہ بلاؤں تم بھی اندر نہ آنا۔" ــــــ حاجی صاحب نے چپڑاسی کو ہدایت دیتے ہوئے کہا اور چپڑاسی سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"ہاں اب فرمایئے کیا احکامات ہیں؟" ــــــ حاجی صاحب نے غیر ملکی سے مخاطب ہوئے کہا۔"

"باس کا حکم ہے کہ آپ دس دن کے لئے اپنی کوٹھی خالی کر دیں اور فیملی کو باہر بھیج دیں۔"

"میری کوٹھی سے باس کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" ــــــ حاجی مظفر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ تو باس بہتر جانتا ہے۔" ______ غیر ملکی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"لیکن یہ حکم باس ٹیلیفون پر بھی دے سکتے تھے۔ آپ کو تکلیف دینے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

"کوئی وجہ ہوگی۔ ورنہ باس اس بات کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔"

"بہتر۔ باس کے حکم کی تعمیل ہوگی۔"

"اوکے۔۔میں چلتا ہوں۔" ______ یہ کہتے ہوئے غیر ملکی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر حاجی صاحب سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔

حاجی صاحب کو اس حکم نے پریشان کر دیا کیونکہ اس حکم کی وجہ ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

بہرحال چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد انہوں نے فون اٹھایا۔ چند نمبر گھمائے اور اپنی بیوی کو باہر جانے کی تیاری کے لئے کہنے لگے۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد انہوں نے فون رکھ دیا۔ ابھی انہوں نے فون رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ انہوں نے فوراً رسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔ مظفر بول رہا ہوں۔"

"حاجی صاحب۔ ایس نائن پہنچا تھا۔"

دوسری طرف سے وہی پہلے والی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"یس باس ابھی ابھی واپس گئے ہیں۔"

"پھر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی۔"

"یس باس۔ میں نے فیملی کو باہر جانے کا کہہ دیا ہے۔ کوٹھی آج شام کو خالی ہو جائے گی۔"

"ویری گڈ۔ تمہاری یہ مستعدی ہمیں بہت پسند آئی ہے۔"

"باس۔ ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔"

"کیا بات ہے"

"باس آپ کو میری کوٹھی کس لئے چاہیے۔"

"حاجی صاحب۔ تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے اور نہ آئندہ اس قسم کی بات پوچھنے کی جرأت کرنا اور نہ ان دس دنوں میں اپنی کوٹھی کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنا۔"

"بہتر سر۔"

اور فون ڈسکنیکٹ ہو گیا۔

حاجی مظفر نے رسیور رکھا اور خود اٹھ کر باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔

حاجی صاحب دارالحکومت کے بہت بڑے تاجروں میں سے تھے۔ ان کا کاروبار ملک کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا۔ بظاہر وہ ایک معزز شہری تھے۔ ان کی زیر نگرانی بہت سے یتیم خانے، کالج اور ہسپتال چل رہے تھے۔ سارے ملک میں حاجی صاحب کی نیکی اور دریا دلی اور غریب پروری کے چرچے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ ظاہری بات تھی۔ اندرونی طور پر وہ اپنی تجارت کے لئے سارے ملک کو قربان کر سکتے تھے۔ کیونکہ انہیں دولت سے بے حد پیار تھا۔ وہ ایک غریب

گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔

یہ سب کچھ انہوں نے اپنی محنت اور مستقل مزاجی سے بنایا تھا اس لئے دولت ان کی خاص کمزوری تھی۔آج کل انہیں مختلف ذرائع سے علم ہوا تھا کہ حکومت ایک ایسی درآمدی پالیسی کا اعلان کرنے والی ہے جس سے ان کی تجارت پر شدید ضرب پڑسکتی ہے۔اس لئے وہ غیر ملکی کے ہتھے چڑھ گئے۔ جنہوں نے حاجی صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس کے ساتھ تعاون کریں گے۔تو وہ اس درآمدی پالیسی کا اعلان نہیں ہونے دیں گے۔جس پالیسی کا اعلان ہو گا وہ ان کی مرضی کے مطابق ہو گا۔جس سے ان کی تجارت کو پھلنے پھولنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔

حاجی صاحب اس سلسلے میں ان کو کافی رقم بھی دے چکے تھے۔لیکن آج کے حکم نے انہیں بہت پریشان کر دیا تھا۔ان کی سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس گروہ کو ان کی کوٹھی سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔لیکن اب سوائے ان کے احکامات کی تعمیل کرنے کے اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ انہیں ایک ایسی تحریر دے چکے تھے جو اگر منظر عام پر آجاتی تو ان کی تمام ظاہری آن بان بکھر کر رہ جاتی۔

یہی سوچتے ہوئے وہ کار چلا رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ خالی ذہن کی کیفیت میں سڑکوں پر کار چلاتے رہے۔ پھر انہوں نے کار ایک عظیم الشان ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں موڑدی۔ کارکو پارکنگ میں لاک کر کے وہ آہستہ آہستہ ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف چلے۔ ہال میں پہنچ کر

انہوں نے بیٹھنے کے لئے ایک کونے والی میز منتخب کی۔ ویٹر کو چائے لانے کے لئے کہا اور خود پھر صبح والے مسئلے پر غور کرنے لگے۔

اچانک وہ ایک اجنبی آواز سن کر چونک پڑے۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک نوجوان ان سے بیٹھنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ان کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھرے لیکن جلد ہی دور ہو گئے۔

''تشریف رکھیئے۔'' ـــــ انہوں نے مصنوعی اخلاق برتتے ہوئے کہا۔

''شکریہ۔'' ـــــ اجنبی نوجوان یہ کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

اتنے میں ویٹر نے چائے کے برتن لا کر رکھ دیئے۔

''ایک چائے اور لاؤ۔'' ـــــ حاجی صاحب نے ویٹر کو آرڈر دیا۔

''اوہ۔ آپ تکلف نہ کریں میں ابھی چائے نہیں پیوں گا۔'' ـ اس اجنبی نے جلدی سے کہا۔

''اس میں تکلف کی کیا بات ہے۔'' ـــــ یہ کہہ کر حاجی صاحب نے ویٹر کو جانے کا اشارہ کیا۔

''مجھے تنویر کہتے ہیں۔'' ـــــ اس اجنبی نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

''میرا نام مظفر محمود ہے۔'' ـــــ حاجی مظفر نے بھی جوابی فقرہ ادا کیا۔

"آپ کیا شغل کرتے ہیں۔" ـــــــ تنویر نے پوچھا۔

"میرے کارخانے ہیں۔" ـــــــ حاجی صاحب نے مختصر سا جواب دیا۔

"اوہ۔ آپ حاجی مظفر محمود تو نہیں۔ ملک کے مشہور و معروف تاجر۔" ـــــــ تنویر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ میں وہی ہوں۔" ـــــــ حاجی صاحب نے اپنی تعریف سن کر ذرا تفاخرانہ لہجے میں کہا۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ سے اس طرح اچانک ملاقات ہو جائے گی ویسے میرا افریقہ میں کاروبار ہے۔ میں وہاں ہیروں کی کانوں کا مالک ہوں۔" ـــــــ تنویر نے اپنے متعلق تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

"آپ اپنے ملک میں کاروبار کیوں نہیں کرتے۔ تاکہ ہمارے ملک میں خوشحالی ہو۔" ـــــــ حاجی صاحب کا لہجہ حب الوطنی سے بھرپور تھا۔

"جی ہاں۔ میں کافی عرصے سے سوچ رہا ہوں لیکن میں ہچکچاتا اس لئے ہوں کہ مجھے اپنے ملک مین تجارتی اونچ نیچ سے واقفیت نہیں ہے۔"

"ایسی کیا بات ہے۔ اگر آپ اپنے ملک میں کاروبار کرنا چاہیں تو میں ہر ممکن طریقے سے آپ سے تعاون کروں گا۔" ـــــــ حاجی صاحب نے اسے فراخ دلانہ پیش کش کی۔

"یہ تو آپ کی نوازش اور اعلیٰ ظرفی ہے۔ جو آپ اس طرح بات کرتے ہیں ورنہ عام تاجر حضرات تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کے علاوہ ملک کے باقی تمام تاجر برباد ہو جائیں تاکہ ان کی اجارہ داری قائم ہو سکے اور اس لئے وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔"

"آپ کی بات درست ہے۔ لیکن ایسے لوگ تو ہر ملک میں موجود ہوتے ہیں۔ لیکن جیسے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اس طرح گندوں کے ساتھ اچھے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں اور میں اپنے متعلق آپ کو یقین دلاتا ہوں کی آپ مجھے اچھوں میں پائیں گے۔"

"اوہ۔ حاجی صاحب آپ کیا سمجھ بیٹھے۔ میں تو عام سی بات کر رہا تھا ورنہ جہاں تک آپ کی شخصیت کا تعلق ہے آپ کو تو سب اچھی طرح سے جانتے ہیں۔"

اس دوران دونوں چائے بھی پیتے رہے۔ ویٹر ان کی باتوں کے دوران چائے رکھ گیا تھا۔

باتوں باتوں میں ان کے درمیان ملک کی آئندہ درآمدی پالیسی پر بحث چل نکلی۔ حاجی صاحب نے آئندہ درآمدی پالیسی پر سختی سے تنقید کی اور تنویر کو بتایا کہ اس پالیسی سے ان کے بزنس پر کتنا برا اثر پڑے گا۔

"لیکن میں نے اس کا انتظام کر لیا ہے۔" ـــــــ حاجی صاحب نے تنویر کو رازداری سے بتایا۔

"مگر وہ کیسے۔" ـــــــ تنویر نے حیرانی سے پوچھا۔

اس پر حاجی صاحب نے اس گروہ میں شمولیت کے متعلق تفصیل سے بتادیا۔ ویسے انہوں نے تنویر کو تلقین کر دی کہ وہ اس کا ذکر کسی اور سے نہ کرے۔

"ارے۔ نہیں حاجی صاحب۔ آپ اطمینان رکھیں۔ تنویر کا دل ایک سمندر ہے جس میں کوئی بات ایک دفعہ جب گھس جاتی ہے تو پھر کبھی باہر نہیں نکل سکتی۔ ویسے آپ نے بہت اچھا کیا۔ آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ کسی طریقہ سے بھی اس درآمدی پالیسی کا اعلان نہ ہونے دیں۔"

"آپ ٹھہرے ہوئے کہاں ہیں۔" ـــــــ اچانک حاجی صاحب کو خیال آیا۔

"میری شہر میں ایک آبائی کوٹھی ہے۔ ویسے میں آج رات کی فلائٹ سے باہر جا رہا ہوں اور اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ عنقریب افریقہ سے یہاں مستقل طور پر آباد ہو جاؤں گا۔ آپ کی باتوں نے مجھے بے حد اطمینان بخشا ہے۔"

"آپ ضرور اپنے ملک میں کاروبار کریں۔ میں ہر طریقے سے آپ کی مدد کروں گا اور انشاء اللہ آپ بے حد کامیاب رہیں گے۔"

"بہتر۔ اچھا مجھے اجازت دیں میں نے سفر کے لئے کچھ تیاریاں کرنی ہیں۔"

"اوکے۔ میں بھی چلتا ہوں۔ میں صرف چائے پینے کے لئے

یہاں چلا آیا تھا۔"

اور پھر دونوں نے ہاتھ ملایا اور حاجی صاحب بھی بل ادا کر کے باہر چلے گئے۔ تنویر ان سے پہلے ہی ہوٹل سے باہر نکل چکا تھا۔ حاجی صاحب جب ہوٹل سے باہر نکلے تو تنویر ایک ستون کی آڑ میں کھڑا تھا۔

پھر جیسے ہی حاجی صاحب کی کار پارکنگ سے نکلی تنویر لپک کر برآمدے میں لگے فون بوتھ میں گھس گیا۔

آج اتفاق سے وہ ایک گہرے راز سے روشناس ہو گیا تھا۔ وہ تو ویسے ہی چائے پینے اس ہوٹل میں چلا آیا تھا اور پھر حاجی صاحب سے گفتگو چھڑ گئی۔

اور اس طرح تنویر پر حکومت کے خلاف گھناؤنی اور نامعلوم سرگرمیوں کا راز فاش ہو گیا۔ اسے خوشی تھی کہ وہ فخر سے ایکسٹو کو یہ راز بتائے گا۔

اس نے پھرتی سے رسیور اٹھا کر ایکسٹو کے مخصوص نمبر گھمائے۔

چند ہی لمحوں بعد سلسلہ مل گیا۔

"ہیلو۔" ـــــــ ایکسٹو کی مخصوص آواز تنویر کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں تنویر بول رہا ہوں جناب۔" ـــــــ تنویر نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

"کیا بات ہے تنویر۔" ـــــــ ایکسٹو نے پوچھا۔

اور تنویر نے حاجی مظفر محمود کی ساتھ اپنی گفتگو کی تمام تفصیل بتا دی۔

''ویری گڈ تنویر۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھتے ہو۔''

اور تنویر کا سینہ یہ سن کر خوشی اور فخر سے پھول گیا۔

''تنویر تم ایسا کرو کہ نئے میک اپ میں حاجی مظفر محمود کی نگرانی کرو اور اگر کوئی خاص بات ہو تو واچ ٹرانسمیٹر پر مجھے رپورٹ دینا۔''

اور تنویر نے اوکے سر کہہ کر فون رکھ دیا اور فون بوتھ سے باہر نکل آیا۔

پھر اس کی کار بھی رینگتی ہوئی ہوٹل کی پارکنگ سے باہر نکل گئی۔

جمیل جیولرز کی شاندار دکان پر گاہکوں کی ہر طرف بھیڑ تھی
دکان کا مالک اور دیگر سیلز مین بڑی مستعدی اور پھرتی سے گاہکوں
سونے کے جھلمل جھلمل کرتے ہوئے زیورات کے ڈبے نکال نکال کر
دکھلا رہے تھے۔

جمیل جیولرز کی دکان زیورات کے سلسلے میں ملک کے طول و عرض میں مشہور تھی۔ ان کے ہاں دیانت اور جدت کو اولین ترجیح دی جاتی تھی اور ان کے خریداروں کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچتی تھی۔

آج حسب معمول دکان گاہکوں سے پُر تھی۔ کافی تعداد میں مرد او
عورتیں زیورات دیکھ رہے تھے چند لوگ دکان کے باہر کے شوکیسو
میں سجے زیورات دیکھ رہے تھے۔ لوگ آ جا رہے تھے ان میں عورتو
کی تعداد زیادہ تھی۔ غرض یہ کہ ایک میلے کا سا سماں تھا۔ ہر طرف رنگینہ
ہی رنگینی تھی۔ غریب آدمی تو اس رنگینی سے لطف اٹھانے کی کبھی سو

بھی نہ سکتا تھا۔ یہ تو امیروں کی دنیا تھی اور امیر ہی اس میں خوش رہ سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد دکان کے باہر ایک لمبی سی کار رکی اور ایک نوجوان مرد جس نے قیمتی کپڑے اور بہترین تراش کا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ ہاتھ میں ایک ڈبہ لئے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا دکان میں داخل ہوا وہ سیدھا منیجر کے پاس پہنچا اور ڈبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"فرمایئے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"_____ منیجر نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"یہ ڈبہ کھول کر دیکھئے۔"_____ نوجوان کا لہجہ تلخ تھا۔

منیجر نے بھی لہجے کی تلخی کو محسوس کر لیا۔ لیکن اس نے بجائے جواب دینے کے ڈبہ کھول لیا۔ اس میں ایک انتہائی خوبصورت ہار پڑا جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ ہار انتہائی خوبصورت اور قیمتی تھا۔

منیجر نے ہار کو غور سے دیکھا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ نوجوان کیا چاہتا ہے۔ اس نے دوبارہ پوچھا۔

"یہ ہار۔"

"یہ ہار پرسوں میری بیگم آپ کی دکان سے لے گئی تھیں۔" نوجوان نے پراسرار انداز میں کہا۔

"اچھا پھر۔"_____ اب منیجر بھی اکتا گیا تھا۔ کیونکہ اس نے دوسرے گاہکوں کو بھی نپٹانا تھا۔

"یہ ہار نقلی ہے۔"_____ نوجوان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

لیکن منیجر کو یوں محسوس ہوا جیسے بم پھٹ پڑا ہو۔ ساتھ کھڑے ہوئے گاہک بھی چونک پڑے اور اب سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یوں اس ہار کو دیکھنے لگے جیسے وہ اس صدی کا عجوبہ ہو۔

اس نوجوان کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لوگوں کی حیرت سے محظوظ ہو رہا ہو۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"_____ آخر منیجر کو قدرے ہوش آیا تو وہ حیرت سے بولا۔

"آپ کے سامنے ہے۔"

دکان میں ہلچل مچ گئی۔ لوگوں نے زیورات سے ہاتھ کھینچ لئے دکان کا مالک سیٹھ جمیل تیزی سے منیجر کے پاس پہنچا اور پوچھنے لگا کیا بات ہے۔

"جناب یہ نوجوان ہار لے آئے ہیں اور کہتے ہیں پرسوں ان کی بیگم صاحبہ یہ ہار یہاں سے لے گئی تھیں۔ اب یہ کہتے ہیں کہ یہ نقلی ہے۔"_____ منیجر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"نقلی ہے۔"_____ سیٹھ نے حیرت سے ہار کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ غور سے دیکھنے پر سیٹھ نے محسوس کر لیا کہ ہار واقعی نقلی ہے لیکن بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا۔

"معاف کیجئے۔ کیا آپ ہماری دکان کا جاری کردہ کیش میمو دکھا سکتے ہیں۔"_____ سیٹھ نے نوجوان سے کہا۔

"جی ہاں دیکھئے۔"

نوجوان نے جیب سے کیش میمو نکال کر سیٹھ کے سامنے کر دیا۔
سیٹھ نے غور سے کیش میمو دیکھا۔ کیش میمو واقعی ان کی دکان کا تھا اور ایک دن پہلے جاری کیا گیا تھا۔ سیٹھ چکرا کر رہ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ ہار واقعی ان کی دکان سے فروخت کیا گیا تھا۔ لیکن اصلی ہار نقلی کیسے بن گیا۔

"ہمارا اصلی والا ہار کہاں ہے۔" ـــــ سیٹھ نے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کیا مطلب۔ یہی ہار ہے اور یہ نقلی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ ڈھنڈورا تو دیانت کا پیٹتے ہیں اور مال نقلی فروخت کرتے ہیں۔ آپ یہ ہار واپس کر کے اس کی رقم لوٹا دیجئے ورنہ میں پولیس کو اطلاع کر دوں گا اور پھر آپ کی یہ دیانت اور شہرت خاک میں مل جائے گی۔"
نوجوان نے انتہائی تلخی سے کہا۔

"آپ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ اصلی ہار کے بدلے میں نقلی ہار واپس کر رہے ہیں۔" ـــــ سیٹھ نے بھی تلخی سے کہا اور پھر منیجر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ذرا پولیس کو فون کرو۔ ابھی معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔"

یہ سن کر نوجوان کے چہرے کا رنگ ذرا سا بدلا لیکن جیسے ہی منیجر نے آگے بڑھ کر فون کو ہاتھ لگایا۔ نوجوان تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹا۔ اب اس کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا اور چہرے پر کرختگی اور درشتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر سب چونک پڑے۔

"خبردار کسی نے حرکت کی تو۔" ـــــ نوجوان نے چیخ کر کہا۔
پھر لوگوں کی حیرانی کی حد نہ رہی۔ جب انہوں نے اپنے چاروں طرف چار اور نوجوان کو ہاتھوں میں پستول لئے کھڑے دیکھے۔ عورتیں سہم گئیں۔ مرد اپنی جگہ بے حس وحرکت کھڑے تھے۔

"نمبر دو۔ دکان کا دروازہ بند کر دو۔" ـــــ اس نوجوان نے جو ان سب کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک پستول بردار نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔

اور اس نے آگے بڑھ کر پھرتی سے دروازہ بند کر دیا۔ نوجوان کے ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر شوکیسوں اور کاؤنٹروں پر رکھے ہوئے زیورات ڈبوں سے نکال نکال کر کاؤنٹر پر رکھنے شروع کر دیے۔

ایک نے لپک کر تجوری کا دروازہ کھولا اور اس میں پڑے نوٹوں کے بنڈل اور خالص سونے کی ڈلیاں نکالنی شروع کر دیں۔

سیٹھ جمیل ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا لیکن جان کے خوف سے چپ تھا۔ جب سب مال سمیٹا جا چکا تو ایک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور زیورات کی گٹھڑی اٹھا کر کار میں رکھی۔ دروازہ کھلا دیکھ کر اندر موجود گاہک بھی آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسکنے لگے اور پھرتی سے دکان سے نکلتے چلے گئے۔

ان ڈاکوؤں کے سرغنہ نے ایک کارڈ جیب سے نکال کر کاؤنٹر پر پھینکا لیکن ابھی وہ مڑ ہی رہا تھا کہ سڑک پر پولیس کی وین آ کر رکی اور پھر گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔

اس نوجوان نے لپک کر کار کا دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ پھر اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں۔ دکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگیں۔ یہ سب کچھ اس طرح ہوا کہ ساتھ والے دکاندار نے اچانک دکان کا دروازہ بند ہوتا دیکھ کر یہ احساس کیا کہ شائد کوئی گڑبڑ ہے۔ اس نے پولیس کو فون کر دیا۔ نتیجہ میں اب دونوں طرف سے گولیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ پھر مجرموں کی کار گولیاں برساتی ہوئی تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی اور پولیس وین بھی ان کا پیچھا کرنے لگی۔

اس کا سائرن گونج دار آواز میں بج رہا تھا اب زور و شور سے تعاقب ہو رہا تھا۔

اچانک مجرموں کی کار ایک سڑک پر مڑ گئی۔ پولیس وین بھی اسی طرف مڑ گئی یہ سڑک ساحل سمندر کی طرف جاتی تھی اس لئے بالکل ویران تھی۔ مجرموں کی کار کے ٹائروں میں گولیاں نہیں لگ رہی تھیں کیونکہ ان پر لوہے کے شیڈ نکل آئے تھے۔ شائد مجرموں نے اس کار میں کوئی خاص میکنزم لگا رکھا تھا۔ اب گولیاں چلنا بند ہو گئی تھیں۔ صرف کاریں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔

مجرموں کی کار پولیس وین سے کافی آگے تھی۔ اچانک کار کی رفتار انتہائی تیز ہو گئی۔

پھر ایک موڑ پر اسی تیز رفتاری سے مڑ گئی۔ پولیس کی وین بھی چند لمحوں میں اس موڑ پر پہنچ گئی۔ موڑ مڑتے ہی سڑک درختوں کے ذخیرے سے گزرتی تھی۔ پولیس کی وین جیسے ہی مڑی۔ سامنے ہی

مجرموں کی کار کھڑی تھی۔ پولیس کی وین اس کے ساتھ جا کر رک گئی اور سپاہی بندوقیں سنبھالتے ہوئے نیچے اتر آئے۔ وہ سب اپنی وین کی آڑ لے کر نیچے اترے تھے۔ لیکن ان سب کی احتیاط بے کار گئی۔ کیونکہ مجرموں کی کار خالی تھی۔ مجرم شاید ذخیرہ میں گھس گئے تھے۔ جہاں سے انہیں گرفتار کرنا قطعی ناممکن تھا اور نجانے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔ سپاہیوں کے ساتھ ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔

انہوں نے وائرلیس پر پولیس ہیڈکوارٹر کو پیغام تو راستے میں ہی دے دیا تھا۔ اس لئے انہیں امید تھی کہ پولیس کی نفری جلد وہاں پہنچنے والی ہے۔ مجرموں کی کار کی تلاشی پر سب انسپکٹر کو یہ دیکھ کر قدرے اطمینان ہو گیا تھا کہ جمیل جیولرز سے لوٹا ہوا مال ابھی کار میں موجود تھا۔ لیکن اچانک ان پر سڑک کے دونوں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

چار سپاہی تو پہلی بار ہی باڑ میں ڈھیر ہو گئے تھے۔ بقیہ نے گاڑیوں کی آڑ لینا چاہی مگر مجرم دونوں طرف چھپے ہوئے تھے۔ اس لئے سب انسپکٹر اور دو سپاہی دوسری باڑ میں ختم ہو گئے۔ سپاہیوں کے مرتے ہی مجرم درختوں کی اوٹ سے نکلے اور پھر بھاگتے ہوئے کار میں بیٹھے اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی اور پولیس کی وین اور مردہ سپاہی وہیں پڑے رہ گئے۔

جولیا بغل میں ایک بھاری پرس دبائے کینٹ میں گھوم رہی تھی۔اسے اس علاقہ میں گھومتے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ لیکن اسے کوئی بات بھی مشکوک نہیں لگی تھی۔ اب وہ گھومتے گھومتے بور ہو چکی تھی اس کا دل چاہا کہ وہ کسی اچھے سے ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھائے اور تھوڑی دیر ریسٹ کرے۔لیکن وہ ابھی تک کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پائی تھی۔اس لئے مسلسل گھوم رہی تھی۔ اچانک اس نے کپڑے کی ایک بہت بڑی دوکان کے سامنے ایک لمبی سی کار رکتے دیکھی۔

ڈرائیور کے دروازہ کھولتے ہی سر احمد علی کار سے اتر کر دکان میں داخل ہوئے۔سر احمد علی وزارت داخلہ میں سیکرٹری تھے۔انہیں دیکھتے ہی جولیاکے ذہن پر وہ منظر گھوم گیا۔ جب ایکسٹو نے عمران کو سر احمد علی کی نگرانی کے لئے کہا تھا۔لیکن بعد میں اسے کچھ معلوم نہ ہوا تھا۔

جولیا بھی لپک کر دکان میں داخل ہو گئی اور کپڑوں کے مختلف

ڈیزائن دیکھنے لگی۔ دکان میں کافی رش تھا۔ جولیا نے دیکھا کہ مینجر سر احمد علی سے بڑے پراسرار انداز میں گفتگو کر رہا تھا اور پھر وہ ان کو لے کر اندر بنے ہوئے کیبن میں چلا گیا۔

جولیا نے لاکھ تدبیریں سوچیں کہ کسی طرح ان کی گفتگو سن لے لیکن یہ سب کچھ ناممکن تھا۔ چنانچہ وہ مجبوراً وہیں کھڑی کپڑوں کے ڈیزائن دیکھتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد سر احمد علی مینجر کے ساتھ کیبن سے باہر نکلے۔ پھر سر احمد علی نے مینجر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”اچھا بس اس کا خیال رکھیئے۔“

”اوکے۔“

مینجر نے کہا اور سر احمد علی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دکان سے باہر نکل آئے۔ڈرائیور نے ادب سے دروازہ کھولا اور ان کے بیٹھنے پر گاڑی آہستہ سے چل پڑی۔ جولیا بھی کپڑے چھوڑ کر چہرے پر مایوسی کا اظہار لئے یوں باہر نکل آئی جیسے اسے اپنے مطلب کا کوئی ڈیزائن پسند نہ آیا ہو۔

سر احمد علی کی گاڑی ابھی تھوڑی دور ہی گئی تھی کیونکہ ٹریفک کا رش تھا اس لئے گاڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ جولیا نے ان کے تعاقب کا فیصلہ کیا اور لپک کر پاس کھڑی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ اس نے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ سر احمد علی کی گاڑی جو سفید رنگ کی امپالا تھی کا تعاقب کرے۔

"لیکن بیگم صاحبہ۔" ______ ڈرائیور نے قدرے مشکوک انداز میں کہا۔

"وہ میرے شوہر ہیں اور آج کل ان کے اور میرے درمیان کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے۔ میں ان کی مصروفیات دیکھ کر اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔" ______ جولیا نے ایک فرضی کہانی بنا کر اسے مطمئن کر دیا۔

اور ڈرائیور جولیا کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ اس نے یوں شانے اچکاتے ہوئے ٹیکسی سٹارٹ کی جیسے کہہ رہا ہو۔ بڑے لوگوں کی باتیں بڑے ہی جانیں۔

جولیا کی ٹیکسی سفید امپالا کے پیچھے چل رہی تھی۔ان کے درمیان ایک اور گاڑی تھی ڈرائیور شاید تعاقب کے سلسلے میں کافی مشاق معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے درمیانی گاڑی سے ٹیکسی آگے بڑھانے کی کوشش نہ کی۔ تا کہ آگے جانے والی گاڑی میں بیٹھے ہوئے صاحب کو تعاقب کا شک نہ ہو۔

تھوڑی دیر میں سفید امپالا ایک وسیع اور قدرے صاف سڑک پر مڑ گئی اب اس کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی۔ٹیکسی کافی فاصلہ دے کر اس کے پیچھے لگی رہی۔

جولیا چونکی بیٹھی متواتر آگے جانے والی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ ایک موڑ مڑے تو جولیا کو ایک اسٹال پر صفدر کھڑا نظر آیا۔ جولیا نے ڈرائیور کو صفدر کے پاس ٹیکسی روکنے کو کہا۔

پھر جیسے ہی صفدر کی نظر ٹیکسی میں بیٹھی جولیا پر پڑی۔وہ لپک کر اس کے پاس آیا۔جولیا نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا اور صفدر کو اندر بیٹھنے کے لئے کہا اور صفدر کے اندر بیٹھتے ہی ٹیکسی ڈرائیور نے جولیا کا اشارہ پا کر ٹیکسی چلا دی۔

سفید امپالا بہت آگے ایک اور موڑ مڑ رہی تھی۔ جلد ہی وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور نے رفتار انتہائی تیز کی اور پھر موڑ مڑتے ہی انہیں دور جاتی ہوئی امپالا نظر آ گئی۔ جولیا نے اس دوران صفدر کو اشاروں میں تمام تفصیل بتا دی۔

"جولیا ہوسکتا ہے عمران کو یہ سب کچھ پہلے سے ہی معلوم ہو۔ محنت کہیں رائیگاں نہ جائے۔" ______ صفدر نے انگلش زبان میں کہا تا کہ ڈرائیور مشکوک نہ ہو۔

"کوئی بات نہیں۔ میرے خیال میں تو واقعات کچھ پراسرار سے ہیں۔"

"شاید عمران ان میں پھنس کر اس طرف توجہ نہ دے سکا ہو۔"

"ہوسکتا ہے۔ چلو کچھ بھی ہو۔ ظاہر ہو جائے گا۔"

پھر وہ خاموشی سے امپالا کی طرف دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد امپالا دارالحکومت سے دور ایک ویران پہاڑی کی طرف مڑ گئی۔ یہ پہاڑی بے برگ و گیاہ تھی۔ یہ صدیوں سے اسی طرح چلی آرہی تھی اور پتہ نہیں دارالحکومت سے اتنے نزدیک ہونے کے باوجود اس پر توجہ کیوں نہیں دی گئی تھی۔ حالانکہ یہ ایک بہترین پکنگ

پوائنٹ بن سکتا تھا۔

''جولیا تم نے آج کا اخبار دیکھا۔'' ـــــــ صفدر نے اچا
کہا۔

''نہیں۔ کیا کوئی خاص بات ہے۔'' ـــــــ جولیا نے چو
ہوئے کہا۔

''اب شوگی پاما اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔ کل اس کے گر
نے حلقہ بازار کے مشہور جوہری جمیل جیولرز کی دکان پر دن دیہاڑ
ڈاکہ مارا۔ سارا سونا پیسے اور زیورات نکال کر لے گئے اور وہیں
کارڈ بھی چھوڑ گئے جس پر شوگی پاما لکھا ہوا ہے۔''

''پولیس کو اطلاع نہیں ملی تھی۔'' ـــــــ جولیا نے حیران ہو
ہوئے کہا۔

''پولیس نے تو ان کا تعاقب کیا لیکن ساحل سمندر کے نزد
ذخیرے میں انہوں نے پولیس کے سات سپاہیوں اور ایک سب انس
کو ہلاک کر دیا اور خود فرار ہو گئے۔'' ـــــــ صفدر نے تفصیل بتا
ہوئے کہا۔

''عجیب بات ہے۔ اتنا بڑا مجرم اور اس طرح معمولی ڈاکے
پھرے۔ معلوم نہیں۔ ویسے مجھے اس میں کوئی بڑا راز معلوم ہوتا ہے۔''

''صاحب اب۔'' ـــــــ اچانک ڈرائیور نے ان سے پوچھا
وہ دونوں چونک پڑے۔ کیونکہ ڈرائیور ان سے مخاطب تھا۔ سفید ا
پہاڑی کے دامن میں رک گئی تھی اور ٹیکسی ڈرائیور اب مزید ہدایات

چاہتا تھا۔

''تم یہیں ایک درخت کے نیچے رک کر ہمارا انتظار کرو۔ ہم ابھی
آتے ہیں۔'' ـــــــ جولیا نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

ڈرائیور نے ٹیکسی ایک سائیڈ میں روک دی اور وہ دونوں پھرتی
سے نیچے اتر آئے۔

ٹیکسی ڈرائیور کی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد اب دونوں
ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہنستے کھیلتے پہاڑی کی طرف
یوں بڑھ رہے تھے جیسے ایک خوش باش جوڑا ہنی مون منانے نکل کھڑا
ہوا ہو۔ شاید وہ اس طرز کی ایکٹنگ اس لئے کر رہے تھے کہ سر احمد علی
کو ان پر شک نہ گزرے۔

''اگر تنویر ہمیں اس حالت میں دیکھ لے تو کیا گزرے گی اس
بیچارے پر۔'' ـــــــ صفدر نے ہنستے ہوئے جولیا کی طرف دیکھا۔

''ہونہہ۔ وہ تو بڑا احمق ہے۔'' ـــــــ جولیا نے نفرت سے
ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

''ویسے وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔'' ـــــــ صفدر نے
جولیا کو مزید چھیڑتے ہوئے کہا۔

صفدر بھی شائد آج چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں تھا۔

''لعنت بھیجو اس پر۔ نجانے ایکسٹو نے ایسے نکمے آدمی کیوں محکمے
میں رکھے ہوئے ہیں۔''

جولیا اکتائی معلوم ہونے لگی۔

”نہیں جولیا۔ ویسے وہ آدمی کام کا ہے۔ بس عشق نے غالب نکما کر دیا۔“ ______ صفدر نے تڑکا لگایا اور جولیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”ویسے عمران اس کی مٹی بہت پلید کرتا ہے۔ مگر وہ پھر بھی باز نہیں آتا۔“ ______ جولیا نے صفدر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”بس انہی باتوں سے تنویر کا دل جلتا ہے کہ تم عمران کی تعریفیں کرتی رہتی ہو۔“ ______ صفدر نے شرارت بھری آنکھوں سے جولیا کو دیکھتے ہوئے کہا اور جولیا مسکرا کر رہ گئی۔

اب وہ دونوں امپالا گاڑی کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اچٹتی ہوئی نگاہ امپالا پر ڈالی۔ اب وہاں صرف ڈرائیور تھا اور سگریٹ پھونک رہا تھا۔ سر احمد علی غائب تھے۔

ڈرائیور نے ایک گہری نظر ان دونوں پر ڈالی پھر کچھ سوچ کر مسکرا دیا اور پھر زور زور سے راج کپور کے سٹائل میں سگریٹ کے کش لینے لگا۔

صفدر اسے دیکھ کر مسکرایا اور پھر وہ دونوں ہنستے مسکراتے آگے بڑھ گئے۔ اب پہاڑی کی چڑھائی آگئی تھی۔

”سر احمد علی کہاں جاسکتے ہیں۔“ ______ جولیا نے پوچھا۔

”معلوم نہیں۔ ویسے یہاں سر احمد علی جیسے آدمی کا آنا راز سے خالی نہیں۔“ ______ صفدر نے جواب دیا۔

وہ آہستہ آہستہ پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ پہاڑی کی دوسری ڈھلوان پر ایک چھوٹا سا پرانا

مندر تھا۔ جو ویران معلوم ہو رہا تھا۔

”میرے خیال میں سر احمد علی اسی مندر میں گئے ہوں گے۔“ جولیا نے رائے دی۔

”کیوں۔“ ______ صفدر نے پوچھا۔

”کیونکہ اس کے علاوہ اور ایسی کوئی جگہ یہاں نہیں ہے جہاں سر احمد علی جاسکتے ہیں۔“

”لیکن اس کا مندر میں کیا کام ہوسکتا ہے۔“

”یہ تو مندر میں جا کر ہی معلوم ہوگا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔“

پھر وہ آہستہ آہستہ مندر کی طرف بڑھنے لگے۔ مندر بالکل ویران تھا۔ وہ پہلے تو مندر کے پاس سے ہوتے ہوئے گزر گئے۔ کافی دور جا کر وہ واپس مڑے۔

”میرے خیال میں مندر کو اندر سے چیک کرنا چاہیے۔“ ___ صفدر نے رائے دی۔

”لیکن ہمارا مندر میں یوں اچانک چلے جانا خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔“ ______ جولیا نے رائے دیتے ہوئے کہا۔

”تو پھر تم یہیں ٹھہرو میں اندر جاتا ہوں اگر کوئی خطرے والی بات ہو تو ایکسٹو کو واچ ٹرانسمیٹر پر اطلاع دے دینا۔“

”یہ ٹھیک ہے۔ ہم دونوں کے بیک وقت پھنس جانے کی بجائے ایک آدمی کو ہی اندر جانا چاہیے۔“ ______ جولیا نے کہا۔

اور صفدر تیزی سے چلتا ہوا مندر کی طرف بڑھ گیا اور جولیا ایک

بڑے پتھر کی اوٹ میں بیٹھ گئی۔ صفدر نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر آہستگی سے چلتا ہوا مندر میں داخل ہو گیا۔ مندر میں داخل ہوتے ہی اسے ایک چھوٹا سا کمرہ نظر آیا جو بالکل ویران تھا۔ چاروں طرف مکڑیوں کے جالے تھے۔ کمرہ انتہائی خستہ حالت میں تھا۔ صفدر فرش پر قدموں کے نشانات دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ سر احمد علی یہاں آئے ہیں۔

اب وہ اور محتاط ہو گیا۔ جیب میں پڑے پستول پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ اس چھوٹے کمرے کے آگے ایک اور بڑا سا کمرہ نظر آیا۔ صفدر احتیاط سے اس میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے کی حالت بھی پہلے کمرے کی سی تھی۔ اس کمرے کے درمیان میں ایک بڑی سی پرانی مورتی پڑی تھی جس کی ایک آنکھ تھی لیکن وہ خالی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس آنکھ میں قیمتی پتھر تھا جو بعد میں کسی نے نکال لیا ہو۔

قدموں کے نشانات اس مورتی تک آ کر ختم ہو گئے تھے۔ اس لئے صفدر سمجھ گیا کہ مورتی سے کوئی خفیہ راستہ کسی تہہ خانے تک جاتا ہے۔ وہ ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی۔ صفدر پھرتی سے مورتی کے پیچھے چھپ گیا۔ مورتی سامنے سے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی اور اس میں سے سر احمد علی باہر نکل آئے اور مورتی دوبارہ اپنی اصل حالت میں آ گئی۔ سر احمد علی نے جیب سے رومال نکال کر کوٹ پر پڑی گرد کو جھاڑا اور پھر رومال جیب میں رکھ کر وہ چلنے لگے تو اچانک ان کی نظر فرش پر پڑی اور وہ چونک پڑے۔ کیونکہ ان کے قدموں کے

ساتھ ساتھ دوسرے قدموں کے نشانات بھی صاف نظر آ رہے تھے۔

سر احمد علی سمجھ گئے کہ کوئی اور شخص بھی اندر داخل ہوا ہے اور ابھی تک کمرے میں ہی موجود ہے کیونکہ اگر وہ باہر گیا ہوتا تو واپسی کے نشانات بھی نظر آتے۔ سر احمد علی نے پھرتی سے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

صفدر بھی چونک پڑا۔ اس نے سوچا کہ وہ بے خبری میں سر احمد علی کو کور کر سکتا ہے۔ ورنہ اگر ان کا داؤ چل گیا تو ساری بھاگ دوڑ فضول ثابت ہو گی۔ چنانچہ جیسے ہی سر احمد علی کی پشت صفدر کی طرف ہوئی صفدر جھپٹ کر مورتی کے عقب سے نکلا اور ریوالور کی نال ان کی کمر پر لگا دی۔

"ہینڈز اپ۔" ______ صفدر کی گرجدار آواز گونجی۔

اور سر احمد علی نے صفدر کے ریوالور کی نال کی چبھن پشت پر محسوس کی تو انہوں نے آہستہ سے اپنا ریوالور نیچے گرا دیا۔ لیکن پھر جیسے بجلی چمکی ہو۔ ایک جھٹکے سے صفدر کا ریوالور بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کیونکہ سر احمد علی صفدر کی توقع سے بھی زیادہ پھرتیلے ثابت ہوئے۔ انہوں نے اچھل کر یکدم لات ماری جو صفدر کے ریوالور پر پڑی اور ریوالور صفدر کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔

اس سے پہلے کہ صفدر اس ناگہانی حملے سے سنبھلتا۔ سر احمد علی کا ایک زور دار مکا صفدر کی کنپٹی پر پڑا اور صفدر کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر آ گرا۔ پہلی ضرب ہی اتنی زور دار تھی کہ صفدر جیسے قوی اور توانا شخص کا

ذہن اندھیرے میں ڈوب گیا۔ یقیناً سر احمد علی گینڈے جیسی قوت کے مالک تھے۔

صفدر کے نیچے گرتے ہی انہوں نے جھک کر اپنا ریوالور اٹھایا اور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ انہوں نے صفدر کو ہلا جلا کر دیکھا ۔ جب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو انہوں نے صفدر کا کمرے میں پڑا ہوا ریوالور اٹھایا۔ ایک لمحہ کے لئے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا پھر اس کو بھی جیب مین ڈال لیا۔ پھر انہوں نے مورتی کی آنکھ میں انگلی ڈال کر گھمائی انگلی گھماتے ہی مورتی سامنے سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

سر احمد علی نے جھک کر صفدر کو اٹھایا اور کندھے پر ڈال لیا اور مورتی میں گھس گئے۔ ان کے جاتے ہی مورتی دوبارہ اپنی اصل حالت میں آ گئی مورتی کے اندر زینے بنے ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے زینے اترتے چلے گئے۔ زینے ایک چھوٹے سے ہال میں جا کر ختم ہو گئے جس میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ اس ہال کی سجاوٹ اور خوبصورتی دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک ویران سے مندر میں واقع ہے۔

ان کے اندر داخل ہوتے ہی ایک جسیم اور قد آور شخص ایک بڑے سے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اس نے حیرت سے سر احمد علی کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے۔ یہ کون ہے۔'' ـــــــ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''سر۔ یہ آدمی مورتی کے پاس چھپا ہوا تھا۔'' ـــــــ سر احمد علی نے کہا۔ ان کا لہجہ مؤدبانہ تھا۔ پھر انہوں نے صفدر کو کندھے سے اتار کر فرش پر ڈال دیا۔

صفدر ابھی تک بے ہوش تھا۔ شاید چوٹ انتہائی شدید تھی۔ دوسرے آدمی نے صفدر کو غور سے دیکھا۔

''یہ میک اپ میں ہے۔''

''میک اپ''

سر احمد علی حیران ہو کر بولے۔

''الماری سے ایمونیا کی بوتل نکال لاؤ۔''

اور سر احمد علی ہال کے کونے میں رکھی ہوئی ایک بڑی سی الماری کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے وہاں سے ایمونیا کی بوتل نکالی اور واپس پلٹ آئے۔

''اس کا چہرہ صاف کرو۔''

سر احمد علی نے ایمونیا سے صفدر کا چہرہ صاف کیا۔ اب صفدر کا اصل چہرہ سامنے تھا۔ ایمونیا منہ پر پڑتے ہی صفدر بھی ہوش میں آ گیا۔

اسے ہوش میں آتا دیکھ کر تیم شحیم آدمی نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ صفدر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اب بھی سر کو جھٹک رہا تھا۔ جیسے آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند کو صاف کر رہا ہو۔

''یہ تو وہی آدمی ہے جو ہماری قید سے نکل گیا تھا۔'' ـــــــ سر احمد علی نے صفدر کو اصل روپ میں پہچان لیا۔

"لیکن یہ یہاں کیسے آ پہنچا۔" ——— دوسرے آدمی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میں بھی حیران ہوں۔" ——— سر احمد علی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ اڈہ بھی اب محفوظ نہیں رہا۔" ——— دوسرے آدمی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ اتفاق سے یہاں آ گیا ہو۔" ——— سر احمد علی نے رائے دی۔

"نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ دراصل تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا ہو گا۔" ——— اس آدمی نے سر احمد علی کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

اب اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"لیکن۔۔۔۔"

"ٹھہرو۔" ——— سر احمد علی کے فقرہ ختم ہونے سے پہلے اس نے کہا اور سر احمد علی خاموش ہو گئے۔ وہ اس آدمی سے بے حد مرعوب تھے۔ اس آدمی نے پھرتی سے ریوالور کا دستہ صفدر کے سر پر دے مارا۔ جو حیرانی سے اس ہال کو دیکھ رہا تھا۔

صفدر ضرب لگتے ہی پھر بے ہوش ہو گیا۔

"اس کے دوسرے ساتھی بھی یہیں ہوں گے۔" ——— اس آدمی نے کہا۔

اور سر احمد علی چونک پڑے۔

"ہو سکتا ہے۔" ——— انہوں نے کہا۔

"ہمیں فوراً اس اڈے کو تباہ کر کے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا۔ شاید وہاں تباہی کا سسٹم انہوں نے پہلے سے ہی لگا رکھا تھا۔

"میں ٹائم سیٹ کرتا ہوں۔ تم الماری سے ضروری کاغذات نکال لاؤ۔" ——— اس آدمی نے سر احمد علی سے کہا۔

"ٹھہرو۔ پہلے مجھے بھی ٹائم سیٹ کر لینے دو۔" ——— اچانک زینے کی طرف سے آواز ابھری۔

اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھٹھک کر رک گئے۔

عمران زینے سے اتر کر نیچے آ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور چمک رہے تھے۔

اس کے پیچھے جولیا بھی تھی۔ دراصل جولیا کو صفدر کا انتظار کرتے کرتے کافی دیر ہو گئی تو اس نے خطرے کا احساس کر کے واچ ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو کو سچویشن سے آگاہ کر دیا۔

عمران کال سنتے ہی آندھی طوفان کی طرح وہاں پہنچ گیا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ کہیں صفدر کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ پھر عمران اپنی ذہانت سے مورتی کے ذریعے اندر آ پہنچا۔ جولیا بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ اس وقت ہال میں پہنچا جب صفدر دوبارہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اگر عمران بر وقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو صفدر بھی اس مندر کے ساتھ ہی ختم ہو چکا ہوتا۔

سر احمد علی نے عمران کو دیکھتے ہی ہاتھ جیب میں لے جانا چاہا۔ اسی

لمحے عمران کے ریوالور کی گولی اس کے کان کے پاس سے نکل گئی۔

"ہاتھ جیب سے دور رکھو ورنہ دوسری گولی دماغ میں روشندان بنا دے گی۔" ——— عمران کی آواز میں سفا کی کا عنصر غالب تھا۔

اور سر احمد علی ٹھٹھک کر رک گیا۔

"جولیا۔تم ان دونوں کی جیبوں سے ریوالور نکال لو۔" ——— عمران نے جولیا کو حکم دیا۔

جولیا پہلے اس لحیم شحیم شخص کی طرف بڑھی۔ جولیا اس کی طرف سیدھی جا رہی تھی۔ جب وہ قریب پہنچنے لگی تو عمران نے چیخ کر کہا۔

"جولیا اس کی پشت پر جاؤ۔"

جولیا اپنی غلطی محسوس کر کے ٹھٹکی۔ مگر بے سود۔ کیونکہ اس آدمی کو ایک سنہری موقعہ مل چکا تھا۔ اس کا بھاری بھرکم ہاتھ جولیا کی گردن کے گرد لپٹ چکا تھا۔

"اسے چھوڑ دو ورنہ میں تمہارے ساتھی کو گولی مار دوں گا۔" عمران نے انتہائی خونخواری سے لحیم شحیم آدمی سے کہا۔

"بڑی خوشی سے مارو گولی۔ لیکن یاد رکھو تمہاری اس نازک سی لڑکی کی گردن بھی ٹوٹ چکی ہو گی۔" ——— یہ کہہ کر اس آدمی نے جولیا کی گردن پر بازو کا دباؤ بڑھا دیا۔ جولیا بری طرح پھنس چکی تھی۔ گردن پر دباؤ کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں بے چینی کے آثار تھے۔

اب عمران عجیب کشمکش میں تھا۔ جولیا کی معمولی سی غلطی نے پچویشن

ہی بدل دی تھی۔

"ریوالور نیچے پھینک دو ورنہ۔۔۔" ——— یہ کہہ کر اس شخص نے جولیا کی گردن پر بازو کا دباؤ اور بڑھا دیا اور جولیا کا بے اختیار منہ کھل گیا اور چہرے پر شدید تکلیف کے آثار نظر آنے لگے۔

اب عمران کے پاس ریوالور پھینک دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ یہ شخص جولیا کی گردن صرف ایک جھٹکے میں توڑ سکتا تھا اور یہ اس سے بعید بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ بھی پہنا دے۔اس لئے عمران نے مجبوراً ریوالور نیچے پھینک دیا۔

عمران کے ریوالور نیچے گراتے ہی سر احمد علی نے فوراً جیب سے ریوالور نکالا اور عمران کو کور کر لیا۔ عمران نے بغیر اس کے کہے اپنے ہاتھ اونچے کر لئے۔

"بڑے سمجھدار ہو۔" ——— سر احمد علی نے کہا۔

دوسرے شخص نے عمران کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر جولیا کو ایک جھٹکے سے پرے پھینک دیا اور خود جیب سے ریوالور نکال لیا۔ جولیا اس شخص سے علیحدہ ہو کر بڑی تیزی سے اپنی گردن مسل رہی تھی۔

"اپنے ہاتھ اٹھاؤ لڑکی۔" ——— اس شخص نے غراتے ہوئے کہا اور جولیا نے ہاتھ اونچے کر دیئے۔

"تم ان کے ہاتھ باندھو۔" ——— اس نے سر احمد علی کو حکم دیا۔

اور سر احمد علی عمران کی طرف بڑھا۔ وہ چکر کاٹ کر اس کی پشت کی طرف سے گیا۔ چند ہی منٹ بعد عمران اور جولیا کے ہاتھ ان کی

پشت پر باندھے جا چکے تھے۔

"اس کے بے ہوش ساتھی کے ہاتھ بھی باندھ دو۔ کہیں راستے میں اسے ہوش نہ آ جائے۔"

اور سر احمد علی نے بے ہوش پڑے صفدر کے ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیئے۔

عمران کو راستے کا سن کر قدرے اطمینان ہو گیا کہ وہ انہیں یہیں چھوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ اپنے ساتھ کہیں اور لے جانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ کہیں وہ مندر کو ڈائنا مائٹ سے اڑا دیں اور انہیں مندر میں چھوڑ دیں۔ وہ تو خود ان کے ہیڈ کوارٹر جانا چاہتا تھا۔ اور قدرت نے اسے موقعہ دے دیا تھا۔ ورنہ اب تک وہ اندھیرے میں ٹامک ٹولیاں مارتا پھر رہا تھا۔

جتنی دیر میں سر احمد علی ان لوگوں کے ہاتھ باندھتا رہا۔ دوسرا شخص اپنے سامنے ٹرانسمیٹر رکھے کسی کو کال کرتا رہا۔

"ہیلو۔ ایس ٹو سپیکنگ اوور۔ ہیلو ایس ٹو سپیکنگ۔ اوور۔"

چند لمحوں بعد دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی آواز آئی۔

"یس۔ ایس ون آن دی لائن۔ اوور۔"

"سر۔ ایس ٹو بول رہا ہوں۔ اوور سر۔

"ہم نے دشمن کے تین آدمی اڈہ نمبر چار پر گرفتار کئے ہیں۔ اوور۔"

"اڈہ نمبر چار پر۔ وہ کیسے۔ اوور۔"

"سر۔ شاید یہ ایس فائیو کا پیچھا کرتے ہوئے آئے ہیں اوور۔"

ایس ٹو نے سر احمد علی کو گھورتے ہوئے کہا۔

سر احمد علی کا چہرہ یہ الفاظ سن کر تاریک ہو گیا۔

"ایس فائیو یہاں موجود ہے۔ اوور۔"

"یس سر۔ اوور۔"

"اسے سیٹ پر حاضر کرو۔ اوور۔"

پھر ایس ٹو کے اشارہ کرنے پر سر احمد علی سیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔

"یس سر۔ ایس فائیو سپیکنگ۔ اوور۔" ـــــ سر احمد علی نے کانپتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ لوگ تمہارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اوور۔"

"معلوم نہیں باس۔ ویسے میں نے اپنی طرف سے پوری احتیاط کی تھی۔ اوور۔" ـــــ سر احمد علی نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"اگر پوری احتیاط کی ہوتی تو یہ یہاں تک کیسے پہنچتے۔ اوور۔" ایس ون کا لہجہ انتہائی بھیانک تھا۔

"سر۔ سر۔ اوور" ـــــ سر احمد علی کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"ایس ٹو کو سیٹ پر حاضر کرو۔ اوور۔"

"یس سر۔ ایس ٹو سپیکنگ۔ اوور۔" ـــــ ایس ٹو نے اشارہ ملتے ہی کہا۔

"ایس ٹو۔ تم اور ایس فائیو ان آدمیوں کو لے کر ابھی اور اسی وقت ہیڈ کوارٹر پہنچ جاؤ۔ میں کل ہی میجر آپریشن کر کے یہاں سے فارغ ہونا

چاہتا ہوں۔ ہمیں پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔ وین ابھی اڈہ نمبر چار پر پہنچ جاتی ہے۔ اوور۔"

"او کے سر۔ اوور۔"

"اوور اینڈ آل۔"

سپیکر سے آواز نکلنی بند ہو گئی۔

اور سر احمد علی کے چہرے پر تازگی آ گئی۔

"ایس فائیو۔ ان تینوں کو اوپر کمرے میں لے جاؤ۔ میں ٹائم سیٹ کر کے آتا ہوں۔"

"چلو۔"______ سر احمد علی نے عمران اور جولیا سے مخاطب ہو کر کہا اور ابھی عمران کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ایس ٹو نے ریوالور کا دستہ زور سے عمران کے سر پر دے مارا۔ پھر دوسری ضرب پڑتے ہی عمران بے ہوش ہو گیا۔

سر احمد علی نے یہی حربہ جولیا پر آزمایا اور چند ہی لمحوں بعد دونوں بے ہوش پڑے تھے۔

آج رات حاجی مظفر کی کوٹھی پر کیپٹن شکیل اور تنویر پہرہ دے رہے تھے۔ تنویر کی رپورٹ پر ایکسٹو نے یہ انتظام کیا تھا۔ پہرہ دیتے دوسری رات ہو چکی تھی۔ لیکن ابھی تک کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی۔ کیپٹن شکیل کوٹھی کی پشت پر اور تنویر کوٹھی کے سامنے ایک سڑک پر پھٹا پرانا کمبل اوڑھے فٹ پاتھ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے برص زدہ فقیر کا میک اپ کیا ہوا تھا اور تھوڑی دیر بعد سر کو اس طرح جھٹک رہا تھا جیسے کسی کی بات کا جواب دے رہا ہو۔

کیپٹن شکیل چست لباس میں ملبوس ایک گھنے درخت پر چڑھا بیٹھا کوٹھی کے اندر نظریں دوڑا رہا تھا۔ لیکن ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ کوٹھی شہر سے کافی دور واقع تھی۔ اس لئے سڑک تقریباً سنسان تھی۔ کبھی کبھار کوئی بھولی بھٹکی کار گرد اڑاتی ہوئی گزر جاتی تھی۔ حاجی مظفر کی کوٹھی سے تقریباً تین فرلانگ پر وزارت خارجہ کا دفتر تھا۔

جہاں دن رات ملٹری کے جوان پہرہ دیتے رہتے تھے۔

اچانک تنویر چونک پڑا۔ کیونکہ سڑک پر دور سے ایک کار رینگتی ہوئی آ رہی تھی۔

تنویر نے سر کو زور زور سے جھٹکنا شروع کر دیا۔ کار آہستہ آہستہ چلتی ہوئی تنویر کے پاس آ کر رک گئی۔ کار میں اندھیرا تھا۔ اس لئے تنویر کو معلوم نہ ہو سکا کہ اندر کتنے آدمی ہیں۔

"یہ فقیر اس سنسان سڑک پر کیوں بیٹھا ہوا ہے۔" ______ کار سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"فقیر جو ہوا۔" ______ ایک اور آواز سنائی دی۔

"اسے چیک تو کرو۔"

اور پھر کار کا دروازہ کھول کر ایک آدمی باہر نکل آیا۔

"بابا۔" ______ اس نے تنویر سے مخاطب ہو کر کہا۔

لیکن تنویر نے جواب دینے کی بجائے سر کو اور زور زور سے جھٹکنا شروع کر دیا۔

"بابا۔ بابا۔" ______ اس آدمی نے اب زور سے پکارا۔

"کیا ہے۔" ______ تنویر نے اپنی لال سرخ آنکھیں کھول کر مخاطب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تنویر نے نجانے کون سا لوشن لگا رکھا تھا کہ اس کی آنکھیں اندھیرے میں بھی چمک رہی تھیں۔

"بابا۔ شہر میں جا کر ڈیرہ لگاؤ۔ یہاں تمہیں کیا ملے گا۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم یہاں کسی سے کچھ لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔" ______ تنویر کی آواز میں جلال تھا اور اس کے ماتھے پر لکیریں بننے اور مٹنے لگیں۔

"تو۔۔۔"

"جا بچہ چلا جا۔ تم فقیروں کو نہیں جانتے۔ کہیں تمہیں نقصان نہ ہو۔" ______ اب تنویر کی آواز میں نرمی تھی۔

اور اس نے آنکھیں بند کر کے سر کو پھر جھٹکنا شروع کر دیا۔ وہ آدمی چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر کار کی طرف مڑ گیا۔

"کوئی فقیر ہی معلوم ہوتا ہے۔" ______ اس آدمی نے کار کے پاس آ کر کہا۔

"چلو اندر بیٹھو۔" ______ وہی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

اور وہ آدمی کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ کار رینگتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور پھر تھوڑی دور جا کر حاجی مظفر کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ کار کی ہیڈ لائٹ تین دفعہ جلی بجھی اور پھر کوٹھی کا پھاٹک کھل گیا۔ کار اندر چلی گئی اور پھاٹک بند ہو گیا۔

تنویر نے پھاٹک بند ہوتے ہی اپنے میلے سے بچھونے کے نیچے سے کلائی کی گھڑی باہر نکالی جس میں ٹرانسمیٹر فٹ تھا اور کار کی رپورٹ کیپٹن شکیل کو دے کر اس نے گھڑی پھر بچھونے کے نیچے رکھ دی۔

چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔ اچانک تنویر چونک پڑا کیونکہ بچھونے

کے نیچے سے ہلکی ہلکی سوں سوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔تنویر نے پھرتی سے گھڑی بچھونے کے نیچے سے نکالی اور بٹن آن کر دیا۔

''ہیلو ہیلو۔کم آن دی لائن۔اوور''______ گھڑی سے ایکسٹو کی آواز ابھری۔

''یس۔تنویر آن دی لائن ۔سر۔اوور''

تنویر نے ہلکی آواز میں کہا۔

''رپورٹ۔اوور''

اور تنویر نے کار والا واقعہ ایکسٹو کو سنا دیا۔

''تم کیپٹن شکیل کو لے کر کوٹھی میں داخل ہو جاؤ۔میں بھی وہاں آ رہا ہوں۔میرے خیال میں آج مجرموں کے مقاصد کا ہمیں بخوبی علم ہو جائے گا۔اوور'' ______ ایکسٹو نے تنویر کو حکم دیا۔

''او کے سر۔اوور''

پھر ایکسٹو کے اوور اینڈ آل کہتے ہی تنویر نے کال بند کر کے دوبارہ شکیل کو کال کیا اور ایکسٹو کا حکم سنا دیا۔کیپٹن شکیل نے اسے کوٹھی کی پشت پر آنے کے لئے کہا۔

تنویر نے اب گھڑی ہاتھ پر باندھ لی اور اسی لباس میں آہستہ آہستہ چلتا کوٹھی کی پشت پر چلا آیا۔

کیپٹن شکیل اسے کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ وہ چند لمحے بغور ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر اسے ایک درخت سے کیپٹن شکیل نیچے اترتا نظر آیا۔

''تنویر ادھر آؤ۔ یہاں سے دیوار ذرا نیچی ہے۔تم نیچے بیٹھو میں

تمہارے کندھے پر سوار ہو کر دیوار پر چڑھتا ہوں۔''

تنویر نیچے بیٹھ گیا اور کیپٹن شکیل اس کے کندھوں پر پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔تنویر آہستہ سے اٹھا۔ اب کیپٹن شکیل کے ہاتھ دیوار تک پہنچ گئے تھے پھر کیپٹن شکیل اپنے بازوؤں پر زور دیتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا۔ اس نے نیچے ہاتھ بڑھایا اور اس کی مدد سے تنویر بھی دیوار پر چڑھ گیا۔ پھر ہلکے سے دو دھماکے ہوئے اور دونوں اندر جا پڑے۔ چند لمحے وہ دونوں وہیں ٹھہرے رہے لیکن انہیں کوئی آہٹ نہ سنائی دی۔ کوٹھی پر مکمل سکوت طاری تھا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پورچ میں آئے۔ یہاں زیرو پاور کا بلب روشن تھا۔جس کی مدھم روشنی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں پنجوں کے بل چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ برآمدے میں تین کمروں کے دروازے تھے۔دو تو بند تھے لیکن ایک کمرے کے دروازے سے روشنی کی پتلی سی لکیر باہر آ رہی تھی۔ وہ دونوں اس طرف گئے۔کیپٹن شکیل نے کی ہول سے اندر جھانکا لیکن سامنے پردہ تھا۔ کمرے سے ہلکی سی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔

تنویر ہاتھ میں ریوالور لیے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ پوری طرح چوکنا تھا۔کیپٹن شکیل نے دروازے کو ہلکے سے دبایا تو اس میں ایک معمولی سی درز بن گئی اب باتیں کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی تھیں۔

اچانک کیپٹن شکیل اور تنویر چونک پڑے کیونکہ گیٹ کھلنے کی آواز سنائی دی۔شاید کوئی اندر آ رہا تھا۔کیپٹن شکیل تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن چھپنے کے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ ایک لمحہ کے لیے وہ دونوں پریشان ہو گئے۔

پھر کیپٹن شکیل نے تنویر کا ہاتھ پکڑا اور وہ دونوں آہستہ سے ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ کیپٹن شکیل نے دروازے کا ہینڈل پکڑ کر آہستگی سے دبایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر اندھیرا تھا دونوں دروازہ کھول کر اندر گھس گئے اور دروازہ بند کر دیا۔

گیٹ سے آنے والی ایک ویگن تھی جو پورچ میں کھڑی کار کے پاس آ کر رک گئی۔ تین سائے ویگن سے نیچے اترے۔ پھر انہوں نے ویگن کا پچھلا دروازہ کھول کر دو آدمیوں اور ایک عورت کو اٹھایا اور کاندھے پر لاد کر اندر آ گئے۔

جب وہ تینوں کیپٹن شکیل کے سامنے سے گزرے تو کیپٹن شکیل نے دیکھا کہ ان تینوں میں سے ایک عورت بھی تھی۔ روشنی اتنی نہیں تھی کہ وہ ان کی شکلیں دیکھ سکتا۔ وہ تینوں اس کمرے کے دروازے پر جا کر رک گئے جہاں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔

انہوں نے دروازہ کھولا اور تینوں اندر داخل ہو گئے۔ دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔

چند لمحے انتظار کرنے کے بعد کیپٹن شکیل اور تنویر باہر نکل آئے۔ اب کیپٹن شکیل دوبارہ کی ہول سے اندر جھانک رہا تھا لیکن اچانک وہ چونک پڑے۔ جب برآمدہ اچانک تیز روشنی میں نہا گیا۔ ابھی وہ دونوں ٹھیک طرح سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ وہی دروازہ کھلا اور دو

آدمی ہاتھوں میں ریوالور لئے سامنے آ گئے۔ پھر تو چاروں طرف سے آدمی ہی آدمی ابل پڑے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

کیپٹن شکیل اور تنویر حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔ یہ آدمی ان کے چاروں طرف سے اندھیرے ہی سے نکلے تھے۔ اس کا مطلب تھا وہ جب کوٹھی کے اندر داخل ہوئے تھے تب ہی وہ ان کی نظروں میں تھے۔

"اپنے ریوالور نیچے پھینک دو۔" ـــــــ ان میں سے ایک نے گرج کر حکم دیا اور دونوں نے ریوالور پھینک دیئے۔

پھر ان دونوں کو ریوالوروں کے زور پر اسی کمرے میں لے جایا گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ ان کے ساتھ صرف دو آدمی اندر داخل ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی انہیں حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا۔

جب انہوں نے فرش پر عمران، جولیا اور صفدر کو پڑے دیکھا۔ عمران اور جولیا میک اپ میں تھے اور صفدر اپنی اصلی حالت میں تھا۔ کیپٹن شکیل سمجھ گیا کہ یہ تینوں ہی ابھی ویگن سے لائے گئے ہیں۔ کمرے میں چھ آدمی کھڑے تھے۔ دو تو وہی تھے جو ان کو لے کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"کیوں یہی وہ فقیر تھا جو باہر بیٹھا ہوا تھا۔" ـــــــ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"جی ہاں یہی ہے۔"

''ان دونوں کی تلاشی لو۔'' ـــــ اس نے ایک آدمی سے کہا۔

اور وہ آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے ان دونوں کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ ریوالور تو پہلے ہی وہ باہر چھوڑ آئے تھے۔ اس لئے جیبوں میں اب انہیں کیا ملتا۔ تلاشی لینے کے بعد ان دونوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے اور انہیں ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔

اب وہ سارے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''میرے خیال میں باس کا انتظار کر لیں۔ پھر وہ خود ہی ان سے پوچھ گچھ کر کے ان کے متعلق فیصلہ کریں گے۔'' ـــــ اس آدمی نے کہا۔

باقی سب نے اس کی تائید میں سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر خاموشی میں گزر گئی۔

پھر اچانک دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش جو سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں تھا اندر داخل ہوا۔ وہ سب کھڑے ہو گئے۔ سیاہ پوش نے ایک نظر عمران، جولیا، صفدر، کیپٹن شکیل اور تنویر کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یہ دو کون ہیں۔'' ـــــ اس نے کیپٹن شکیل اور تنویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''سر یہ کوٹھی میں گھسے ہوئے تھے۔'' ـــــ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''ہوں۔ میرے خیال میں یہ سب میک اپ میں ہیں۔ ان کا میک

اپ صاف کرو۔'' ـــــ باس نے حکم دیا۔

اور ان میں سے ایک نے بڑھ کر الماری میں سے ایک بوتل نکالی اور ان سب کے منہ دھلوائے۔ صفدر تو پہلے ہی اصلی شکل میں تھا۔ باقی سب کا بھی میک اپ صاف ہو گیا اور اب وہ سب اصلی شکلوں میں تھے۔

''اوہ۔ یہ سب تو ایکسٹو کی ٹیم کے ارکان ہیں۔'' ـــــ ان کی اصلی شکلیں دیکھ کر ان کا باس بھی چونک پڑا۔

''گڈ۔ ہماری سب سے بڑی مشکل خود بخود حل ہو گئی۔ اب صرف ان کا باس ایکسٹو رہ گیا ہے۔ وہ بھی ہمارے قابو میں آجائے گا۔ ویسے بھی وہ اپنی ٹیم کے بغیر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' ـــــ ایس سکس۔ ان کو ہوش میں لاؤ اور ایس ٹو تم اس کالے حبشی کو لے آؤ جسے اس دن ہوٹل سے ٹریپ کر کے کوٹھی سے پکڑا تھا۔''

''او کے۔''

ایس ٹو نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایس سکس آگے بڑھا اور جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر باری باری عمران، جولیا اور صفدر کی ناک سے لگا دی اور خود پیچھے ہٹ گیا۔

سب سے پہلے صفدر کو ہوش آیا۔ اس نے پہلے تو ادھر ادھر دیکھا پھر اچھل کر بیٹھ گیا۔ پھر عمران نے ایک زور کی چھینک ماری اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''میری جان ایک بار پھر میرے پاس آؤ میں جی بھر کر تمہیں دیکھنا

چاہتا ہوں۔"

عمران نے بند آنکھوں سے کہا۔ لیکن پھر جلدی سے کھول دیں۔

"ارے تو وہ سارا خواب تھا۔" ____ یہ کہہ کر وہ اٹھ کر بیٹھا اور پھر آنکھیں جھپکا جھپکا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر حماقت کے آثار تھے۔ اتنے میں جولیا بھی ہوش میں آ گئی اور اب وہ چاروں طرف حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

اور پھر سب چونک پڑے۔ جب انہوں نے جوزف کو ہاتھ اٹھائے اندر آتے دیکھا۔ ایس ٹو جوزف کو کور کر کے اندر لا رہا تھا۔ ایس سکس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا۔ تقریباً تمام کی تمام سیکرٹ سروس اس وقت بندھی ہوئی مجرموں کے سامنے تھی اور مجرم دندنا رہے تھے۔ جولیا کے چہرے پر قدرے پریشانی کے آثار تھے لیکن عمران بڑے سکون اور اطمینان سے بیٹھا سب کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے ڈنر میں شریک ہوا ہو۔

"دوستو۔ اب ہم پوری آزادی سے کام کر سکتے ہیں۔" ____ نقاب پوش نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن پہلے ان کا فیصلہ ہو جانا چاہئے۔" ____ ان میں سے ایک نے نقاب پوش سے مخاطب ہو کر کہا۔

"نہیں۔ ہمارا میجر آپریشن آج رات ہے اور میں چاہتا ہوں کہ انہیں بھی اس نظارے کو دیکھنے کا موقع ملنا چاہئے۔ اس کے بعد ہم ان سب کو گولی مار دیں گے۔" ____ نقاب پوش کا لہجہ فخریہ تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" ____ پہلے آدمی نے ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مینڈک کا آپریشن کرنے والے ہیں۔" ____ عمران نے اچانک نقاب پوش سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہاں۔ اگر تمہارے ملک کو مینڈک تصور کر لیا جائے تو۔" نقاب پوش نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔

"تم ہی شوگی پاما ہو۔" ____ عمران نے نقاب پوش کے فقرے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

اور وہ سب چونک پڑے۔

"ہاں۔ تمہارا خیال درست ہے۔" ____ نقاب پوش نے سرد لہجہ میں کہا۔

"تو کیا تم اپنی من موہنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔" ____ عمران نے یوں کہا جیسے کوئی عاشق زار اپنی محبوبہ کا دیدار کرنے کے لئے بے تاب ہو۔

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔" ____ نقاب پوش نے جواب دیا۔

ابھی عمران کچھ اور کہنے والا تھا کہ اچانک دروازے سے ایک اور آدمی اندر داخل ہوا۔ شوگی پاما اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

آنے والا حاجی مظفر تھا جس کی کوٹھی میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک آدمی

ٹامی گن اٹھائے ہوئے تھا۔

''سر۔یہ آدمی کوٹھی کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔'' ــــــــ ٹامی گن والے نے ادب سے کہا۔

''کیوں نہ داخل ہو۔ آخر کوٹھی اسی کی ہے۔'' ــــــــ شوگی پاما نے مبہم سا جواب دیا۔

''آپ لوگ کون ہیں اور میری کوٹھی میں کیا کر رہے ہیں۔'' حاجی مظفر نے پریشان لہجے میں کہا۔

''تم حکومت کی پالیسی بدلوانا چاہتے تھے نا۔ مگر ہم ساری حکومت ہی بدل دینا چاہتے ہیں۔''

''لیکن میں نے حکومت بدلنے کو تو نہیں کہا تھا اور دوسرا میں اپنی کوٹھی میں خلاف قانون حرکات پسند نہیں کرتا۔''

''ہم تمہاری پسند و ناپسند کے ٹھیکیدار تو نہیں۔'' ــــــــ شوگی پاما نے خوفناک آواز میں کہا۔

''لیکن آخر میری ہی کوٹھی تم نے کیوں پسند کی۔''

''یہ ہم تم سے بہتر جانتے ہیں۔''

پھر شوگی پاما نے ایس ٹو کو اشارہ کیا اور اچانک ایس ٹو نے جیب سے ریوالور نکال کر حاجی مظفر پر تان لیا۔ ٹامی گن والا ایک طرف ہٹ گیا۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو۔'' ــــــــ حاجی مظفر ایس ٹو کی آنکھوں میں چمک دیکھ کر گھبرا گیا۔

لیکن اسی لمحے پستول سے ایک شعلہ چمکا۔ ہلکی سی آواز آئی اور حاجی مظفر کے منہ سے بھیانک چیخ نکلی اور وہ سینے پر ہاتھ رکھے وہیں ڈھیر ہو گیا۔

چند لمحے اس کا جسم تڑپا۔ پھر ساکت ہو گیا۔ گولی شاید اس کے دل پر لگی تھی۔

اپنے سامنے ایک آدمی کو یوں مرتا دیکھ کر صفدر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ لیکن اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ مجبور تھا لیکن عمران یوں دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا جیسے بچے کسی مداری کا تماشا دیکھتے ہیں۔

''اس کی لاش اٹھا کر لے جاؤ۔'' ــــــــ شوگی پاما نے ٹامی گن والے سے کہا۔

اور اس نے گن دیوار کے ساتھ رکھ دی اور پھر وہ لاش اٹھا کر باہر نکل گیا۔ سارے ماحول پر ہیبت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

''ان سب کو ہال میں لے چلو۔'' ــــــــ شوگی پاما نے ایس ٹو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور خود آگے بڑھ کر کمرے سے نکل گیا۔

ایس ٹو اور اس کے ساتھیوں نے اپنے ریوالور نکال کر ان سب کو چلنے کا اشارہ کیا۔

سب خاموشی سے اٹھ کر ان کے آگے آگے چل دیئے۔ عمران اب خلاف معمول خاموش تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا اور اس کے

چہرے پر بے پناہ سنجیدگی طاری تھی۔

اس کمرے سے نکل کر وہ ایک بڑے برآمدے میں آئے اور وہاں سے ایک اور کمرے میں داخل ہو کر وہ سب ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ یہ ہال ایک پوری لیبارٹری معلوم ہوتا تھا۔ ہر طرف مشینیں ہی مشینیں سیٹ تھیں۔ ان سب کو ایک کونے میں کھڑا کر دیا گیا۔ دو ٹامی گن بردار ان پر پہرہ دینے لگے وہ دونوں بے حد مستعد معلوم ہوتے تھے۔

شوگی پاما ایک بہت بڑی میز کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ مشین پر لگے ہوئے ہینڈل پر تھے۔ شوگی پاما کے ساتھی بھی ایک طرف خاموش کھڑے ہوئے تھے۔

سب دم بخود تھے کہ نجانے شوگی پاما کیا کرنا چاہتا ہے۔ عمران سوچ رہا تھا کہ اس بار برے پھنسے۔ مجرم ان کی موجودگی میں ہی کچھ کرنے والے ہیں اور وہ بے بس ہیں۔ سب سے بڑا المیہ یہ کہ عمران اور سیکرٹ سروس کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ مجرم کرنا کیا چاہتے ہیں۔ عمران کو پہلی بار ایسی سچویشن سے واسطہ پڑا تھا کہ مجرم اس کے سامنے تھے اور ابھی تک ان کے جرم کا اس کو پتہ نہیں چل سکا تھا۔

عمران سوچ رہا تھا کہ اب کچھ کرنا چاہیے ورنہ وہ یہیں کھڑے رہ جائیں گے اور مجرم اپنا کام کر گزریں گے۔ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ شوگی پاما یکدم پیچھے مڑا اور ان سے مخاطب ہوا۔

”تم دیکھ رہے ہم نے کیا انتظام کر رکھا ہے اور تمہیں ابھی تک یہ

معلوم نہیں کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ تمہارے ایکسٹو اور سیکرٹ سروس کی میں نے بہت شہرت سن رکھی تھی۔ لیکن اب تم دیکھ رہے ہو کہ میں نے ایکسٹو کو کیسے شکست دی اور جب میرا آپریشن کامیاب ہو گا اور تم سب کی لاشیں اسے ملیں گی تو وہ سر پیٹتا رہ جائے گا۔“

یہ کہہ کر اس نے مشین پر لگے ہوئے ایک سرخ بٹن کو دبایا۔ مشین پر ایک بڑی سی سکرین روشن ہو گئی۔ اس پر سرخ سی لکیریں چمک رہی تھیں۔ شوگی پاما نے ہینڈل کو آہستہ آہستہ گھمانا شروع کر دیا اور سکرین صاف ہوتی چلی گئی۔

اور پھر عمران سمیت سب چونک پڑے جب انہوں نے سکرین پر صدر مملکت کو دیکھا۔ جو کابینہ کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔

شوگی پاما نے ایک اور بٹن دبایا تو مشین کے ساتھ لگے ہوئے لاؤڈ سپیکر سے آواز آنی شروع ہو گئی۔ صدر مملکت کابینہ کے اجلاس سے خطاب کر رہے تھے اور ان کی آواز لفظ بہ لفظ لاؤڈ سپیکر سے نشر ہو رہی تھی۔ عمران کے چہرے پر اضطراب کی لہریں دوڑنے لگیں کیونکہ وہ اس اجلاس کی اہمیت کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا اسے معلوم تھا کہ یہ اجلاس ایک غیر ملکی فوجی معاہدے کے بارے میں ہو رہا تھا۔ جس کی تفصیلات اگر دشمنوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں تو ملک کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔

”تم نے دیکھا کہ تمہارے ملک کا کوئی راز میرے لئے راز نہیں اور یہ سبز بٹن دیکھ رہے ہو۔ صرف اس کو دبانے کی دیر ہے یہ ساری

عمارت ایک دھماکے سے ریزہ ریزہ ہو کر ملبے کا ڈھیر بن جائے گی۔“

”اور دیکھو۔“ ـــــــ یہ کہہ کر شوگی پاما نے ہینڈل تیزی سے گھمانا شروع کر دیا سکرین پر منظر بدلنے لگے۔

اب جو منظر سکرین پر ابھرا تھا۔ عمران اسے دیکھ کر پھر چونک پڑا۔ یہ اس خفیہ لیبارٹری کا منظر تھا جہاں اس کے ملک کے سائنسدان ایک دوست ملک کے سائنسدانوں کے اشتراک سے ہائیڈروجن بم بنانے میں مصروف تھے۔ ہائیڈروجن بم تقریباً تیار تھا اور اب اس کا تجربہ کرنا باقی تھا اور اس وقت اس کے تجربہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور اس کی تباہی کا مطلب تھا ملک کی تباہی۔

اب شوگی پاما کو روکنا عمران کے لئے انتہائی ضروری ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شوگی پاما ایسے خوفناک مقاصد لے کر اس ملک میں آیا تھا اور وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہ گیا اور مجرم نے اپنا خوفناک جال پھیلا لیا۔ یہ پہلا مجرم تھا جس نے عمران کو خطرناک شکست دی تھی۔

اور اس شکست کو اب بھی فتح میں تبدیل کیا جاسکتا تھا۔ اگر شوگی پاما کو روک دیا جائے۔ لیکن عمران کے ذہن میں اس کا کوئی حل نہیں آرہا تھا۔

”دیکھا۔ تمہاری اس خفیہ ترین لیبارٹری کی تباہی اس سبز بٹن میں پوشیدہ ہے۔ اور دیکھو۔“ ـــــــ شوگی پاما نے دوبارہ ہینڈل تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔ وہ سب کچھ ایسے کر رہا تھا جیسے کوئی مداری

تماشا دکھا رہا ہو۔ لیکن ان سب کے سانس سینوں میں رکے ہوئے تھے انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے تماشا کا مطلب خوفناک ترین تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

شوگی پاما تیزی سے اس خوفناک مشین کا ہینڈل گھما رہا تھا سکرین پر منظر بار بار بدل رہے تھے۔ یہ وزارت خارجہ کے ریکارڈ روم کے مناظر تھے۔ اس میں بڑی بڑی الماریاں تھیں جن میں ملک کے اہم ترین راز بند تھے۔

”تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے ملک کے اہم ترین راز میرے سامنے ہیں اور تم سوچ رہے ہو گے کہ میں یہ راز کس طرح حاصل کروں گا۔ یہ میں ابھی تباہ کر دوں گا۔ مجھے صرف ایک اطلاع کا انتظار ہے اس کے بعد تم سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔“

شوگی پاما نے سرخ بٹن دبایا اور سکرین دوبارہ تاریک ہو گئی۔ شوگی پاما مشین سے ہٹ کر سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ادھر عمران اور اس کے ساتھیوں کے چہرے تاریک ہو رہے تھے۔ انہوں نے جو دیکھا تھا اس کا تصور ہی انتہائی بھیانک تھا۔ عمران کے علاوہ باقی سب یہ سوچ رہے تھے کہ شاید عین موقع پر ایکسٹو کی طرف سے کوئی معجزہ رونما ہو جائے لیکن عمران جانتا تھا کہ ٹیم کے بغیر بلیک زیرو کیا کر سکتا تھا۔

شوگی پاما بیٹھا ایک ایک کے چہرے کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

”اب تمہیں سمجھ آگئی ہو گی کہ میں نے حاجی مظفر کی کوٹھی کو کیوں

منتخب کیا تھا کہ اس کی کوٹھی ان تینوں جگہوں کے درمیان ہے اور یہاں سے میں اپنا وار کامیابی سے کر سکتا ہوں۔"

شوگی پاما انہیں سمجھا رہا تھا اور اسے اپنے مشن کے کامیاب ہونے کا مکمل یقین تھا اس لئے وہ انہیں تفصیل سے بتا رہا تھا اور بندھے ہونے کی وجہ سے عمران اور اس کے ساتھی اس وقت بے بس تھے۔

عمران سوچ رہا تھا کہ شوگی پاما کو کس اطلاع کا انتظار ہے کہ اسے ساتھ کھڑے ہوئے شکیل کی کہنی اپنی کہنی سے ٹکراتی ہوئی محسوس ہوئی۔ عمران نے اسے دیکھا تو کیپٹن شکیل نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا چہرہ حسب معمول سپاٹ تھا۔

عمران کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ اچانک کیپٹن شکیل نے آنکھیں کھول دیں اس نے ایک نظر شوگی پاما کی طرف دیکھا جو اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر عمران کی طرف ڈالی جو حیرت سے اسے تک رہا تھا۔ اس نے دوبارہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ اب وہ اپنی آنکھیں اس طرح بار بار جھپک رہا تھا جیسے آنکھوں میں کوئی چیز پڑ گئی ہو۔

لیکن عمران جو اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ چونک پڑا۔ کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ کیپٹن شکیل اسے آنکھوں کے ذریعے پیغام دے رہا ہے۔ یہ ایک انتہائی خفیہ اور جدید کوڈ تھا۔ جسے حال ہی میں عمران کے ملک کے ماہرین نے ایجاد کیا تھا اور کیپٹن شکیل کو اس کی ٹریننگ ملٹری میں دی گئی تھی۔ عمران کو ابھی اس کوڈ کا علم ہوا تھا اور اس نے ایجا

کرنے والے کی صلاحیت کی داد دی تھی۔

اب کیپٹن شکیل نے اس کوڈ کو اس موقع پر استعمال کر کے عمران کی نظر میں اپنی وقعت اور بڑھا لی تھی۔

چند منٹ تک کیپٹن شکیل آنکھیں بند کرتا اور کھولتا رہا اور پھر اس نے نظریں پھیر لیں۔ عمران نے سارا پیغام سمجھ لیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ کیپٹن شکیل نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ کسی نہ کسی طرح کھول لئے ہیں۔ عمران دل ہی دل میں شکیل کی ذہانت کی داد دے رہا تھا۔

اب شوگی پاما بھی کرسی سے اٹھ کر ٹہل رہا تھا۔ اس کے انداز میں بے چینی ظاہر تھی۔ وہ شاید اس اطلاع کا منتظر تھا۔ پہرہ دینے والے اپنی اپنی جگہ پوری طرح مستعد تھے۔

اچانک عمران نے کیپٹن شکیل کا ہاتھ اپنی پشت پر رینگتا ہوا محسوس کیا۔ اب اس کے ہاتھوں کی رسی کسی سخت چیز سے آہستہ آہستہ کٹ رہی تھی۔ بظاہر عمران اور کیپٹن شکیل بے حس و حرکت کھڑے تھے۔

چند ہی لمحوں میں عمران نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ رسی کی بندش سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اب کیپٹن شکیل کا ہاتھ اس کی پشت سے غائب تھا اور اچانک عمران نے کیپٹن شکیل کے ساتھ کھڑے ہوئے صفدر کو چونکتے دیکھا۔ لیکن صفدر بھی ذہین سیکرٹ ایجنٹ تھا اس کا چہرہ بھی سپاٹ تھا۔

عمران سمجھ گیا کہ کیپٹن شکیل اپنے طریقے سے صفدر کے ہاتھوں کی رسی بھی کاٹ رہا ہے۔ چند لمحوں بعد کیپٹن شکیل کے ہاتھ رک چکے

تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ صفدر کے ہاتھ بھی رسیوں سے آزاد ہو چکے تھے۔

کیپٹن شکیل نے ایک بار پھر معنی خیز نظروں سے عمران کی طرف دیکھا اور پھر آنکھوں کے جھپکنے کا عمل شروع ہو گیا۔

عمران اس پیغام کو بھی سمجھ گیا تھا کہ کیپٹن شکیل اب آئندہ پروگرام کے متعلق پوچھ رہا ہے۔

عمران نے بھی اسی طریقے سے اس کو بتا دیا کہ وہ چند منٹ انتظار کرے۔

اب عمران سوچ رہا تھا کہ کس طریقے سے اس سچویشن پر قابو پایا جائے۔ پہرہ دینے والے بڑی مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے اور اگر اس نے ذرا سی بھی غلط حرکت کی تو یقیناً ٹامی گن بردار اسے بھون کر رکھ دیں گے۔

اتنے میں ہال کا دروازہ کھلا اور ایک خوفناک اور گرانڈیل حبشی اندر داخل ہوا۔ اس کا قد اور جسم جوزف سے بے حد مشابہت رکھتا تھا شاید وہ بھی افریقہ کے کسی خونخوار قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے صرف سیاہ رنگ کی پتلون پہن رکھی تھی۔ اس لئے ظاہری نظر میں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ انسان کی بجائے بن مانس ہو۔ اس کے سارے جسم پر بال ہی بال دکھائی دے رہے تھے۔

اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر شوگی پاما کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''ڈگی کیا رہا۔'' ـــــــ شوگی پاما نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

''سر۔ سب انتظام ہو گیا ہے۔'' ـــــــ حبشی جس کا نام ڈگی تھا نے ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''ہیلی کاپٹر چھت پر پہنچ چکا ہے۔'' ـــــــ شوگی پاما نے بے چینی سے پوچھا۔

''جی ہاں جناب۔'' ـــــــ حبشی نے اسی لہجہ میں جواب دیا۔

''کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی۔''

''ڈگی کا راستہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی جناب۔'' حبشی نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' ـــــــ شوگی پاما نے کہا۔

''اور ہاں تم ہیلی کاپٹر پر جا کر بیٹھو اور اسے سٹارٹ رکھنا۔ ہم آدھے گھنٹے میں پہنچنے والے ہیں۔'' ـــــــ شوگی پاما نے چند لمحوں بعد حبشی سے مخاطب ہو کر کہا۔

حبشی نے ادب سے سر کو جھکایا اور واپس مڑ گیا۔ جاتے جاتے اس نے ایک نظر جوزف کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک لہرائی اور پھر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

عمران نے سوچا کہ شاید شوگی پاما کو اسی اطلاع کا انتظار تھا اور وہ سمجھ گیا کہ شوگی پاما ملک میں تباہی مچا کر اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر ہیلی کاپٹر کے ذریعے فرار ہونا چاہتا ہے لیکن شاید شوگی پاما کو جس اطلاع کا انتظار تھا وہ ابھی تک نہیں پہنچی تھی کیونکہ وہ بدستور اسی طرح ٹہل رہا تھا۔

"ایس ٹو۔ وہ لوگ ابھی تک نہیں پہنچے"۔ شوگی پاما نے ایس ٹو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر۔ اب تک انہیں پہنچ تو جانا چاہئے تھا"۔ ایس ٹو نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

اور شوگی پاما دوبارہ ٹہلنے لگا۔

عمران سمجھ گیا کہ شوگی پاما کو دراصل کسی پائلٹ کا نہیں بلکہ چند آدمیوں کا انتظار تھا۔ اب عمران سوچ رہا تھا کہ وہ آدمی کون ہو سکتے ہیں اور شوگی پاما ان کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔

ماحول پر گھمبیر خاموشی طاری تھی۔ وقت آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔ اور عمران کے ساتھیوں کے دل بھی وقت کے ساتھ دھڑک رہے تھے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر سوچ رہا تھا کہ دیکھو اب کیا ظہور میں آنے والا ہے۔ ان کی ساری امیدیں اب ایکسٹو کی طرف لگی ہوئی تھیں لیکن ایکسٹو کی طرف سے ابھی تک کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن عمران جانتا تھا کہ بلیک زیرو اکیلا کیا کر سکتا ہے۔

عمران یہاں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ کافی دیر خاموش رہنے سے اب اس کی زبان پر کھجلی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

"ممم۔ میں کچھ عرض کر سکتا ہوں"۔ عمران اچانک بول پڑا۔ اس کی آواز سے شوگی پاما اور اس کے ساتھی بے ساختہ چونک پڑے اور جیسے کمرے میں بم پھٹ گیا ہو۔

"کیا بات ہے"۔ شوگی پاما تلخی سے بولا۔

"میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں"۔ عمران کے لہجے میں عاجزی تھی۔

"کیا مطلب"۔ شوگی پاما نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا

"میرا مطلب ہے کہ اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میرے ماں باپ ساری عمر آپ کے بچوں کو دعائیں دیتے رہیں گے"۔ عمران نے مسکین سی صورت بناتے ہوئے کہا۔

اور کمرے میں شوگی پاما کا قہقہہ گونج اٹھا۔

"خوب۔ خوب۔ لیکن تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم سیکرٹ سروس میں شامل ہو جاؤ"۔

"جناب میں تو سیکرٹ سروس نام کے کسی جانور کو نہیں جانتا۔ میں تو بالکل بے گناہ ہوں"۔ عمران کا لہجہ عاجزی سے اتنا بھرا تھا کہ جولیا، صفدر اور جوزف کے منہ بگڑ گئے۔ انہیں عمران کی یہ عاجزی قطعی پسند نہیں آئی تھی۔

"باس۔ تم کیا عورتوں والی باتیں کر رہے ہو"۔ جوزف اچانک پھٹ پڑا۔ وہ یہاں آنے کے بعد پہلی بار بولا تھا۔ اب تک وہ آنکھیں بند کئے اونگھتا ہی رہا تھا شاید یہ اس کی یہ حالت شراب نہ ملنے کی وجہ سے تھی لیکن اب اس کے چہرے پر غصے کی سر

آ گئی تھی۔

''تم چپ رہو۔ شب تار کے بچے۔ میری جان کوئی فالتو ہے جو میں خواہ مخواہ دوسروں کے لئے بے موت مارا جاؤں۔'' ____ عمران نے اسے مخاطب کرتے ہوئے غصے سے کہا اور جوزف برا سا منہ بنا کر چپ ہو گیا۔

''اچھا اگر تم بتا دو کہ ایکسٹو کون ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔'' ____ شوگی پاما نے دلچسپی سے عمران سے کہا اور اب وہ چلتا ہوا عمران کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''میں بتا دوں گا لیکن اگر تم اپنے وعدے سے مکر گئے تو۔'' عمران نے شوگی پاما کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ اگر تم نے سچ سچ بتلا دیا تو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔'' ____ شوگی پاما کی آواز میں خوشی کا عنصر نمایاں تھا۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھ آیا۔ اب وہ عمران کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

''کیا خیال ہے بتا دوں۔'' ____ عمران نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بتا دو۔ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔'' ____ کیپٹن شکیل نے اطمینان سے جواب دیا لیکن کیپٹن شکیل اس کی آنکھوں سے ملنے والا پیغام سمجھ چکا تھا۔

عمران نے اسے آئی کوڈ کے ذریعے ہوشیار رہنے کا کہا تھا۔

''اچھا تو سنو۔'' ____ عمران نے دوبارہ شوگی پاما کی طرف رخ کر کے کہا۔

عمران کے ساتھیوں نے حیرت سے سانس روک لئے۔ کیونکہ اگر عمران واقعی ایکسٹو کے متعلق بتا رہا تھا تو یقیناً ان کے لئے بھی یہ ایک نئی خبر تھی۔ سب جانتے تھے کہ عمران ایکسٹو کو بخوبی جانتا ہے۔ جولیا کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی۔ جس اطلاع کی وہ مدت سے منتظر تھی۔ وہ اب سامنے آنے والی تھی۔ لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ عمران کو کسی طریقے سے یہ بات بتانے سے باز رکھے۔ سچویشن ہی ایسی تھی کہ وہ اپنی محرومی گوارہ کر سکتی تھی لیکن ایکسٹو کو ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ لیکن عمران کو وہ روک بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے دل میں عمران کے خلاف نفرت کا لاوا ابل رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عمران اپنی جان بچانے کے لئے ایکسٹو کو ظاہر بھی کر سکتا ہے لیکن اب صورت حال اس کے سامنے تھی۔

''بتاؤ۔ تم کیوں رک گئے۔'' ____ شوگی پاما نے عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ایکسٹو دراصل ۔۔۔۔'' ____ عمران نے بتانا شروع کیا۔

اور شوگی پاما نے اپنا کان عمران کے اور نزدیک کر دیا۔

اور پھر اچانک وہ ہو گیا جس کی امید ان میں سے کسی کو بھی نہ تھی۔

عمران نے بجلی کی طرح حرکت کی اور شوگی پاما کو اس نے دونوں ہاتھوں سے جکڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔

عمران کے حرکت میں آتے ہی کیپٹن شکیل اپنی جگہ سے اچھلا اور ٹامی گن والا زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ کیپٹن شکیل کی زوردار فلائنگ کک اس کے سینے پر پڑی تھی۔ ٹامی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا پڑی تھی۔

شوگی پاپا کے ساتھی حیران و پریشان کھڑے تھے کہ اچانک صفدر نے ٹامی گن اٹھا کر انہیں کور کر لیا۔ لیکن پھر اچانک ٹامی گن اس کے ہاتھوں سے نکل کر دور جا پڑی اور وہ پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ ورنہ دوسری صورت میں ٹامی گن سے نکلنے والی گولیاں اسے بھون کر رکھ دیتیں۔

ٹامی گن سے نکلنے والی گولیوں نے شوگی پاپا کے ساتھیوں کو جیسے خواب سے چونکا دیا تھا۔

اور ان سب کے ہاتھ جیبوں میں رینگ گئے۔

ادھر شوگی پاپا عمران کے ہاتھوں میں بری طرح مچل رہا تھا۔ شوگی پاپا کسی بھینسے کی طرح طاقتور تھا۔ کیونکہ عمران کو اسے قابو میں رکھنے کے لئے کافی سے زیادہ طاقت استعمال کرنی پڑ رہی تھی۔

اچانک کمرہ گھپ تاریکی میں ڈوب گیا۔ کیونکہ کیپٹن شکیل نے سچویشن دیکھتے ہوئے عقلمندی کا مظاہرہ کیا اور دیوار پر لگے ہوئے مین سوئچ کو آف کر دیا تھا۔

اب اندھیرے میں فائرنگ ہو رہی تھی۔ گولیاں دھڑا دھڑ چل رہی تھیں۔ ریوالوروں کے شعلے کبھی کبھی اندھیرے میں چمک اٹھتے تھے۔

پھر عمران کے ہاتھوں سے شوگی پاپا مچھلی کی طرح تڑپ کر نکل گیا۔

"باہر نکلو"۔ عمران چلایا۔

اسی لمحے ایک گولی اس کی طرف لپکی لیکن عمران، کیپٹن شکیل اور صفدر زمین پر کروٹیں بدلتے ہوئے دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ پھر اندھیرے میں دو چیخیں گونجیں۔ عمران صفدر اور کیپٹن شکیل کے دل ڈوب گئے۔

کیونکہ دونوں چیخیں جولیا اور تنویر کی تھیں۔ پھر یکدم خاموشی چھا گئی۔ شاید شوگی پاپا اور اس کے ساتھی کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ اب باہر سے بھی گولیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

اچانک کمرے میں روشنی ہو گئی۔ یہ کام عمران کا تھا۔ کیونکہ اگر شوگی پاپا اور اس کے ساتھی کمرے میں ہوتے تو ان سب کی جانیں سخت خطرے میں تھیں لیکن عمران گومگو کے عالم سے نکلنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے روشنی کر دی تھی۔

واقعی کمرہ شوگی پاپا اور اس کے ساتھیوں سے خالی تھا۔ شاید وہ سچویشن کے تبدیل ہونے سے گھبرا گئے تھے۔

"کیپٹن شکیل انہیں سنبھالو"۔ عمران نے کہا۔ پھر اس نے جھٹکے سے زمین پر پڑی ٹامی گن اٹھائی اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

کیپٹن شکیل اور صفدر پھرتی سے جولیا اور تنویر کی طرف بڑھے لیکن شکر تھا دونوں زندہ تھے۔ تنویر کے بائیں پہلو میں دو گولیاں لگی تھیں اور جولیا کے بازو میں گولی کا سوراخ تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے سے وہ دونوں

بے ہوش تھے۔ جوزف قطعی بچ گیا تھا کیونکہ پچویشن بدلتے ہی وہ لپک کر پاس پڑی ہوئی ایک بڑی سی مشین کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

کیپٹن شکیل نے بازو میں پہنے ہوئے کنگن سے ان تینوں کی رسیاں کاٹ دیں۔ اس نے اپنی عمران اور صفدر کی رسیاں بھی اسی سے کاٹی تھیں۔

''صفدر تم دوسری ٹامی گن اٹھا لو اور باہر نکل کر دشمن کے جو آدمی نظر آئیں بھون ڈالو۔ میں اتنے میں یہ سب مشینیں اڑاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر کیپٹن شکیل نے شوگی پاما کی کرسی اٹھائی اور سامنے والی بڑی مشین پر دے ماری۔ مشین کا ڈائل ٹوٹ گیا۔

ادھر صفدر نے لپک کر دوسری ٹامی گن اٹھائی اور باہر کی طرف بھاگا۔ لیکن پھر جھٹکے سے رک گیا۔ کیونکہ سامنے دو آدمی جو صفدر کے دشمن ملک کے سفارت خانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ہاتھ اٹھائے ادھر آتے نظر آئے۔ ان کے پیچھے ایکسٹو انہیں ٹامی گن سے کور کیے اندر آیا۔ ایکسٹو کے مخصوص نقاب سے وہ ایکسٹو کو فوراً پہچان گیا۔

''صفدر کوئی زخمی تو نہیں ہوا۔'' ______ ایکسٹو نے پوچھا۔

''سر۔ تنویر اور جولیا سخت زخمی ہیں۔ ان کی حالت خراب ہے۔'' صفدر نے جلدی سے جواب دیا۔

''تو پھر جلدی کرو۔ ان دونوں کو اٹھا کر باہر کھڑی وین میں ڈالو اور دانش منزل لے جاؤ۔ ڈاکٹر اکرم کو فون کر کے بلوا لینا۔ میں نے باہر والے سب اڑا دیئے ہیں۔'' ______ ایکسٹو نے کہا۔

صفدر نے لپک کر جولیا کو کاندھے پر ڈالا اور باہر کی طرف بھاگا۔

ادھر جوزف نے تنویر کو کاندھے پر لادا اور وہ بھی باہر کی طرف بھاگا۔

پھر ایکسٹو نے ان کو واپس مڑنے کا اشارہ کیا۔ کیپٹن شکیل دیوانہ وار مشینوں پر گولیاں برسا رہا تھا۔

''شکیل باہر نکل آؤ۔'' ______ ایکسٹو کی آواز دروازے سے آئی اور ایکسٹو کی آواز سن کر شکیل نے ماتھے پر آنے والا پسینہ پونچھا اور پھر دروازے سے باہر نکل آیا۔

''تم جا کر کار اسٹارٹ کرو۔ میں آ رہا ہوں۔''

اور کیپٹن شکیل پھرتی سے کار کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے جلدی سے کار کا دروازہ کھولا اور کار سٹارٹ کر دی۔ چابی اس میں لگی ہوئی تھی۔ اتنے میں ایکسٹو بھی بھاگتا ہوا باہر آیا۔ صفدر اور جوزف کی وین جا چکی تھی۔

''چلو۔ جلدی سے نکلو۔'' ______ ایکسٹو نے کار میں بیٹھتے ہی کہا اور کار تیر کی طرح پھاٹک سے باہر نکل گئی۔

ابھی وہ بمشکل بڑی سڑک پر مڑے ہی تھے کہ ایک کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور پوری عمارت سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔

''ٹائم بم۔'' ______ کیپٹن شکیل نے ایکسٹو سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ہاں۔ جتنی جلدی ہو سکے زولا پہاڑی کی طرف چلو۔ میں نے مجرموں کا ہیلی کاپٹر ادھر جاتے ہوئے دیکھا ہے۔'' ______ ایکسٹو

دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

اسے معلوم تھا کہ مجرم اگر ہاتھ سے نکل گئے تو پھر وہ انہیں دوبارہ نہیں پا سکے گا۔ اس لئے اس نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی اور ہیلی کاپٹر سے لٹک گیا۔

اب ہیلی کاپٹر کافی بلند ہو چکا تھا اور ہیلی کاپٹر کے پائیدان سے لٹکا ہوا عمران کسی حقیر کیڑے کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر فضا میں خاصا بلند ہو چکا تھا۔

ہوا کا دباؤ عمران کو ناقابل برداشت معلوم ہو رہا تھا۔ کیونکہ ہیلی کاپٹر کی رفتار بھی اب خاصی تیز تھی۔ اس کے ہاتھ سن ہو رہے تھے۔ عمران بخوبی جانتا تھا اگر وہ ہیلی کاپٹر سے گر گیا تو اس کی ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ اس نے بازوؤں پر زور دیا پھر اس کی ٹانگیں کسی جمناسٹک کے ماہر کی طرح اوپر اٹھیں اور پائیدان سے جا لگیں۔ اب مسئلہ تھا پائیدان کے اوپر چڑھنے کا۔ لیکن یہ ناممکن معلوم ہو رہا تھا کیونکہ ہوا کا دباؤ اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔

ادھر اس کے ہاتھ لمحہ بہ لمحہ سن ہو رہے تھے۔ زور آزمائی کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ یہ اس کی جان کی بازی تھی۔ وہ برابر پائیدان پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھوں کی گرفت لمحہ بہ لمحہ کمزور پڑتی جا رہی تھی۔

اور پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ بے جان ہو گئے ہیں۔ عمران کا دل لرز اٹھا۔ بھیانک موت سامنے منہ پھاڑے

کھڑی تھی۔

اس نے اپنی پوری کوشش کی کہ اس کے ہاتھ پائیدان سے علیحدہ نہ ہوں لیکن اس کی ساری محنت رائیگاں گئی اور دونوں ہاتھ ایک جھٹکے سے پائیدان سے علیحدہ ہو گئے۔ عمران کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دل ڈوبتا چلا گیا ہو۔

اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اس نے سمجھا کہ وہ اب ہمیشہ کے لئے ہیلی کاپٹر سے نیچے پھیلے ہوئے اندھیرے میں گم ہو جائے گا۔ لیکن شاید ابھی اس کی زندگی باقی تھی کیونکہ اب وہ پاؤں کے بل ہیلی کاپٹر کے پائیدان سے لٹکا ہوا تھا۔

طالب علمی کے زمانے میں کی ہوئی جمناسٹک اس کی جان بچا گئی تھی اس کے دونوں پاؤں پائیدان سے چمٹے ہوئے تھے اور وہ سر کے بل نیچے لٹکا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ فضا میں جھول رہے تھے۔

ہوا کا دباؤ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ ہیلی کاپٹر کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ عمران نے سوچا کہ اب تو اتفاقاً زندگی بچ گئی ہے لیکن اگر یہی سچویشن تھوڑی دیر اور قائم رہی تو وہ یقیناً نیچے گر پڑے گا اس لئے اس نے پھرتی سے جسم کو موڑا اور پھر اس کے ہاتھ دوبارہ پائیدان سے چمٹ گئے۔ اس نے آخری اور بھرپور کوشش کی اور ایک زوردار جھٹکے سے وہ پائیدان کے اوپر تھا اس کا سانس بری طرح پھول چکا تھا۔

اس نے ایک منٹ تک اپنی سانس برابر کی۔ اب عارضی طور پر تو

وہ محفوظ تھا لیکن مسئلہ تھا اس ہیلی کاپٹر کو کس طرح قابو کرتے اور یہ تب ہی ہو سکتا تھا جب وہ ہیلی کاپٹر کے اندر گھستا۔

لیکن ٹریجڈی یہ تھی کہ اس کی جیب میں ریوالور بھی نہ تھا اور ٹامی گن وہ وہیں چھت پر ہی پھینک آیا تھا۔ ہیلی کاپٹر کافی دور نکل آیا تھا۔

اچانک عمران نے محسوس کیا کہ ہیلی کاپٹر کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ شاید وہ یہیں کہیں اترنا چاہتے تھے۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیچے دیکھا تا کہ وہ دیکھ سکے کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ لیکن نیچے گھپ اندھیرا تھا۔ اب ہیلی کاپٹر کی رفتار کافی حد تک کم ہو چکی تھی اور وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔

اچانک عمران کو نیچے ہلکی سی روشنی نظر آئی جو فوراً ہی بجھ گئی۔ عمران سمجھ گیا کہ یہ روشنی کسی ٹارچ کی تھی اسی طرح روشنی تین بار چمکی اور بجھ گئی۔ عمران سمجھ گیا کہ ہیلی کاپٹر کو اترنے کے لئے سگنل دیئے جا رہے ہیں۔

مجرموں نے فرار ہونے کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ اب ہیلی کاپٹر کافی نیچے آ چکا تھا۔ اب عمران کو نظر آ گیا کہ ہیلی کاپٹر دارالحکومت سے چالیس میل دور زولا پہاڑی پر اترنے والا ہے۔

پہاڑی اب آہستہ آہستہ عمران سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی۔ پہاڑی پر ہر طرف اندھیرے کی چادر تنی ہوئی تھی۔ عمران سگنل دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ نیچے شوگی پاما کے آدمی ہی موجود ہوں گے۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ جیسے ہی ہیلی کاپٹر پہاڑی کے

نزدیک پہنچے وہ چھلانگ لگا دے اور پھر جو بھی ہو دیکھا جائے گا۔

اب پہاڑی بالکل قریب آ چکی تھی۔ عمران نے فاصلے کا اندازہ لگایا اور پھر پائیدان چھوڑ کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ یہ ایک خطرناک چھلانگ تھی کیونکہ اندازے کی معمولی سی غلطی اسے ہمیشہ ہمیشہ کی نیند بھی سلا سکتی تھی۔ لیکن عمران کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ فاصلہ تقریباً اتنا ہی تھا جتنا اس نے خیال کیا تھا اور پھر جیسے ہی اس کے پاؤں زمین پر لگے وہ لڑھکتا ہوا نیچے جانے لگا۔ اس نے چھلانگ اس طرح لگائی تھی کہ پاؤں زمین پر لگیں اور پھر وہ لڑھکتا چلا جائے ورنہ اس کے جسم کی کوئی نہ کوئی ہڈی ضرور ٹوٹ جاتی۔ پتھریلی زمین ہونے کی وجہ سے چوٹیں تو اب بھی اس کے جسم پر کافی لگی تھیں لیکن زیادہ شدید نہیں تھیں۔ وہ برابر نیچے کی طرف لڑھکتا چلا جا رہا تھا۔

اس نے لڑھکتے ہوئے ادھر ادھر ہاتھ مارے تا کہ کوئی چیز پکڑ کر رک سکے لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہ آئی۔ پھر اچانک ایک جھاڑی پر اس کا ہاتھ پڑ گیا۔ جھاڑی اتفاق سے کانٹے دار نہیں تھی لیکن پھر بھی اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔

اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جس ہاتھ سے اس نے جھاڑی پکڑی تھی اس سے خون بہتا ہوا محسوس ہو رہا تھا لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور دوبارہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ اب وہ کافی محتاط معلوم ہو رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر پہاڑی پر پہنچ چکا تھا اور اس میں سے مجرم باہر نکل آئے تھے۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ ان میں سے کوئی الگ ہو اور وہ اسے

پکڑے۔ پھر اسے یہ موقعہ بھی مل گیا۔ ان میں سے ایک آدمی پہاڑی کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی وہ ایک طرف کو ہوا۔ عمران بھی اس کے سر پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے ہاتھ میں اس نے ٹارچ پکڑی ہوئی تھی۔ شاید اسی نے ہی ہیلی کاپٹر کو سگنل دیئے تھے۔

عین اسی لمحے اس کی نظر عمران پر پڑی اور عمران چونک پڑا۔ یہ وہی حبشی تھا جو شوگی پاپا کے پاس آیا تھا۔ حبشی نے اسے دیکھتے ہی گولی چلا دی اور عمران سنگ آرٹ کا مظاہرہ کر کے بچ گیا۔ پھر تو حبشی پر جنون طاری ہو گیا۔ وہ بار بار ٹرائیگر دباتا رہا لیکن اس کے مدمقابل عمران تھا جو اس وقت چھلاوہ بنا ہوا تھا۔ ایک بھی گولی عمران کو نہیں لگی تھی۔ پھر جب ریوالور سے ٹرچ کی آواز آئی تو حبشی چونک پڑا۔ ریوالور خالی ہو چکا تھا۔ اس نے ریوالور اور ٹارچ ایک طرف پھینکے اور عمران پر چھلانگ لگا دی۔ عمران جھکائی دے کر نکل گیا اور ساتھ ہی اس کی زوردار لات حبشی کے جبڑے پر پڑی لیکن وہ اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔

حبشی بے پناہ طاقتور تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اسی لمحے حبشی تڑپا اور عمران کی گردن حبشی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ وہ اس کا گلا گھونٹ رہا تھا اور عمران اس کے پیٹ پر مکے مار رہا تھا۔ عمران کا ایک زوردار مکا اس کی پسلیوں پر پڑا اور عمران کے گلے سے ایک لمحہ کے لئے حبشی کی گرفت ذرا ڈھیلی پڑ گئی۔ عمران تڑپ کر علیحدہ ہو گیا۔

پھر اسے پنڈلی کے ساتھ بندھے ہوئے خنجر کا خیال آیا۔ کیونکہ اس

کی پنڈلی کے ساتھ ہمیشہ ایک خنجر چمڑے کے مضبوط تسمے سے بندھا رہتا تھا۔ اس نے فوراً خنجر کھینچا اور حبشی کے مقابلے پر تن گیا۔ خنجر نکالنے کے دوران حبشی کا ایک زوردار مکا عمران کے جبڑے پر پڑا اور پھر اسی لمحے عمران کا خنجر کا وار حبشی کے سینے پر پڑا اور خنجر دستے تک حبشی کے سینے میں گھس گیا۔ حبشی کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ سینے کو دبائے نیچے گر گیا۔ شاید قدرت کو عمران پر ترس آ گیا تھا کیونکہ خنجر کا وار عین حبشی کے دل پر پڑا تھا۔

عمران نے نفرت سے ایک ٹھوکر حبشی کے جسم پر ماری۔ حبشی مر چکا تھا۔ عمران خنجر لئے آگے بڑھنے لگا۔ اچانک اسے ایک شخص اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ عمران بری طرح چونک پڑا کیونکہ یہ کیپٹن شکیل تھا۔

"شکیل۔" ______ عمران نے چیخ کر کہا۔

"عمران صاحب۔" ______ کیپٹن شکیل وہیں رک گیا۔ وہ شاید اسے شوگی پاپا کا آدمی سمجھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچے اور کیا سچویشن ہے۔" ______ عمران نے پوچھا۔

"باس کے ساتھ یہاں پہنچا ہوں۔ پوری پہاڑی کو فوج نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ شوگی پاپا اور اس کے دو ساتھی ہمارے قابو آ چکے ہیں۔ باس انہیں ریوالور سے کور کئے ہوئے ہے۔" ____ کیپٹن شکیل نے قریب آتے ہوئے کہا۔

وہ حبشی کے پاس آ کر رک گیا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے

لگا۔

''اس بلا کو آپ نے ہلاک کیا ہے۔'' ______ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

''ہاں۔ اسے میں نے مارا ہے۔'' ______ عمران نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور وہ دونوں ادھر چل پڑے جہاں ایکسٹو نے شوگی پاما اور اس کے دو ساتھیوں کو ریوالور سے کور کر رکھا تھا۔

''عمران۔'' ______ ایکسٹو نے انہیں آتا دیکھ کر کہا۔

''یس سر۔'' ______ عمران نے کہا۔

''انہیں باندھ دو۔ کہیں راستے میں گڑبڑ نہ کریں۔''

''او کے سر۔'' ______ عمران نے کہا اور پنڈلی سے بندھا ہوا تسمہ کھولا اور پھر اس نے شوگی پاما کے ہاتھ پشت پر باندھے۔ دوسروں کو کیپٹن شکیل نے ٹائی اور بیلٹ سے جکڑ دیا اب وہ تینوں کو دھکیلتے ہوئے پہاڑی سے نیچے جا رہے تھے۔

''نیچے بھی تو ان کے آدمی ہیں۔'' ______ عمران نے ایکسٹو سے کہا۔

''ہاں۔ انہیں پہلے ہی ختم کر دیا ہے۔'' ______ ایکسٹو نے مخصوص لہجے میں کہا۔

''لیکن سر۔ آپ یہاں کیسے پہنچے۔'' ______ عمران نے دوسرا سوال کر دیا۔

''مجرموں کے ہیلی کاپٹر کے رخ کے اندازے سے۔'' ______ ایکسٹو

کی آواز آئی۔

اور عمران بلیک زیرو کی ذہانت دیکھ کر سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

دانش منزل کے ہال میں سیکرٹ سروس کے تمام ارکان بیٹھے تھے۔صرف تنویر موجود نہیں تھا کیونکہ وہ ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ ویسے اب اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ جولیا بھی بازو پر پٹی باندھے ان کے درمیان موجود تھی۔

ان سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ایک بہت بڑے کیس کو بخوبی نپٹایا تھا۔اب یہاں وہ ایکسٹو سے اس کی تفصیل سننے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔پھر سب ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہوگئے جس سے سیٹی کی آواز آ رہی تھی اور اس کا بلب سپارک کر رہا تھا۔

جولیا آگے بڑھی اور ٹرانسمیٹر کا بٹن آن کر دیا۔

''ہیلو ممبرز۔'' ______ ایکسٹو کی مخصوص آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

''کیا سب ممبر یہاں موجود ہیں۔'' ______ ایکسٹو نے پوچھا۔

''یس سر۔'' ______ جولیا نے جواب دیا۔

''تم لوگ کیس کی تفصیلات سننے کے لئے بے تاب ہوں گے۔ یہ کیس میرے لئے کافی دردسر بنا رہا۔شوگی پاما ایک بین الاقوامی مجرم تھا۔ مجھے اطلاع ملی کہ وہ ہمارے ملک میں پہنچ گیا ہے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ لیکن مجھے اس کے آنے کا مقصد معلوم نہیں تھا۔ اس لئے سب سے پہلے میں اس کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح اس کا مقصد معلوم ہو سکے۔لیکن کامیابی نہ ہوئی شوگی پاما ایک انتہائی ذہین اور عیار مجرم تھا اس نے اس ملک میں آنے سے پہلے یہاں کی سیکرٹ سروس کے متعلق پوری معلومات حاصل کیں۔ بے انتہا کوشش کے بعد اس کے کارندے کسی طریقے سے جولیا کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر انہوں نے جولیا کے ذریعے باقی ممبرز کو پھنسانے کا پروگرام بنایا اور وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہے اور جولیا کے علاوہ صفدر اور کیپٹن شکیل بھی ان کی قید میں پہنچ گئے۔جولیا کے بتانے پر وہ عمران تک بھی پہنچ گئے لیکن پھر کیپٹن شکیل کی ذہانت، جرات اور دلیری کام آئی اور کیپٹن شکیل، صفدر اور جولیا ان کے چنگل سے نکل آئے۔

پھر ہماری توجہ ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری کی طرف مبذول ہوگئی لیکن کافی کوشش کے باوجود کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔جس وقت ہم نے شوگی پاما کو دیکھا وہ اس وقت میک اپ میں تھا۔ وہ کسی طریقے سے ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری میں پہنچ گیا اور ڈاکٹر جوہر کو اس نے کسی حرب سے طویل

بے ہوشی میں مبتلا کر دیا اور اس کی جگہ نقلی ڈاکٹر جوہر کو لیبارٹری کا سربراہ بنا دیا۔شوگی پاپا کو گرفتار کرنے کے بعد ہم نے ڈاکٹر جوہر کی لیبارٹری پر بھی چھاپہ مارا اور نقلی ڈاکٹر جوہر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ڈاکٹر جوہر کی جگہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ شوگی پاپا اس لیبارٹری کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود بھی ایک ذہین سائنسدان تھا۔ اس نے اس لیبارٹری کو استعمال کیا اور ڈاکٹر کے ایک ادھورے فارمولے سے ایک خطرناک دھند پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جس کا تجربہ اس نے دارالحکومت پر کیا۔ جس سے کافی تباہی پھیلی۔ ڈاکٹر جوہر کا ایک اور تجربہ جس میں ڈاکٹر جوہر آجکل مشغول تھے۔اس کے دست برد سے بچا رہا۔ یا شاید وہ اسے سمجھ ہی نہ سکا۔

بہرحال شوگی پاپا کے اس ملک میں آنے کے مقاصد بڑے خوفناک تھے۔ وہ دو تین مقاصد لے کر آیا تھا۔اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ اس لیبارٹری کو تباہ کر دے جہاں ہمارا ملک ہائیڈروجن بم بنا رہا ہے۔ دوسرے وہ صدر مملکت اور دیگر کابینہ کو بھی ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ تا کہ ملک میں افراتفری پھیل جائے۔ تیسرا وہ وزارت خارجہ کے ریکارڈ روم سے ان قیمتی معاہدوں کی تفصیلات اڑانا چاہتا تھا۔

اس نے بڑی خوبی سے ان مقاصد کو ہماری نظروں سے پوشیدہ رکھا اور ہمیں دوسرے معاملوں میں الجھائے رکھا اور خود درپردہ جال پھیلانے میں لگا رہا۔اس نے جمیل جیولرز پر ڈاکہ بھی مارا تا کہ ہم لوگ

ادھر متوجہ رہیں اور وہ کامیاب ہو جائے۔انہی دنوں اسے ایسی کوٹھی کی ضرورت پڑی جو مذکورہ بالا تینوں جگہوں سے زیادہ قریب ہو اور پھر اس نے حاجی مظفر جیسے غدار وطن کو تاڑا اور اسے چکر میں لا کر کوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چاہتا تو جبراً بھی یہ کوٹھی حاصل کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس کی بھنک وہ ہمارے قانون میں نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔لیکن اتفاق سے تنویر حاجی مظفر سے ٹکرا گیا اور پھر تنویر کی ذہانت سے ہمیں حاجی مظفر سے سارے حالات کا علم ہو گیا۔

اس کے بعد ایک اور چکر چلا اور تقریباً ساری سیکرٹ سروس اس کے قبضے میں چلی گئی۔ وہاں جو کچھ ہوا وہ آپ لوگ دیکھ چکے ہیں۔ ان میں خاص طور پر کیپٹن شکیل قابل تحسین ہے جس نے سچویشن بدلنے میں اپنی ذہانت سے کام لیا اور اپنے مخصوص کنگن کے ذریعے عمران اور صفدر کی رسیاں کاٹ دیں۔ عمران تو بہرحال عمران ہے۔ اس نے بھی جو کیا اس سے اسی کی توقع تھی۔ بعد میں عمران ہیلی کاپٹر کے نیچے جس طرح موت اور زندگی کی کش مکش میں رہا۔ اس کی تفصیل آپ عمران سے سن لیں۔ بہرحال میں اتنا کہتا ہوں کہ عمران نے اپنی جان کی بازی لگا دی اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم اسے زندہ دیکھ رہے ہیں۔ ہیلی کاپٹر پہاڑی پر جا اترا اور میں کیپٹن شکیل کے ساتھ اپنے اندازے سے وہاں پہنچا۔ ایک خوفناک لڑائی کے بعد ہم شوگی پاپا اور اس کے دوساتھیوں کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس طرح ایک

خوفناک کیس اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ میں سیکرٹ سروس کے سب ارکان سے بے حد خوش ہوں۔ جنہوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر یہ کیس حل کیا۔ ایک بار پھر میں صفدر، کیپٹن شکیل، جولیا، تنویر اور عمران کو باری باری مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی آپ اسی طرح ملک وقوم کی خدمت میں جانوں کی بازی لگاتے رہیں گے۔

''کوئی سوال۔'' ____ ایکسٹو نے پوچھا۔

''سر۔ وہ آدمی کون تھے جنہیں آپ کور کر کے اندر لا رہے تھے۔'' صفدر نے سوال کیا۔

''ہاں۔ ان کے متعلق تو مجھے آپ کو بتانا یاد نہیں رہا۔ وہ ہمارے دشمن ملک کے سفارت خانے کے آدمی تھے۔ جو اس خونی دھند کا فارمولا شوگی پاما سے خریدنے آئے تھے۔ شوگی پاما کا خیال تھا کہ وہ اس فارمولے کو بیچ کر پھر باقی مقاصد میں کامیاب ہو کر یہاں سے فرار ہو جائے گا۔ لیکن اس کا یہ خواب آپ لوگوں کی فرض شناسی کی وجہ سے شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اوور اینڈ آل۔''

ایکسٹو کی آواز آنی بند ہو گئی اور جولیا نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر دیا۔

اب سب عمران کو مجبور کرنے لگے کہ وہ ہیلی کاپٹر والا واقعہ تفصیل سے سنائے۔

''ارے وہ تو کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک فلم کی شوٹنگ تھی جس میں مابدولت ایک ہیرو کا کردار ادا کر رہے تھے۔'' ____ عمران نے

معاملہ ختم کر دیا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ویسے پھر بھی۔ کچھ تو بتایئے۔'' ____ جولیا نے عمران کو مجبور کیا۔

''پھر کبھی سہی۔ اب میں جا کر سلیمان کی پیٹھ ٹھکوں گا جس نے مجھ سے زبردستی ورزشیں کروا کر میری جان بچائی۔''

اور پھر وہ سب عمران کے ساتھ اس کے فلیٹ جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''عمران صاحب۔ اس بار آپ کے کیپٹن فیاض نظر نہیں آئے۔'' صفدر نے پوچھا۔

''بھئی وہ اپنے سسرال گیا ہوا ہے۔'' ____ عمران نے صفدر کو آنکھ مارتے ہوئے کہا اور صفدر سمجھ گیا کہ وہ آج کل ملک سے باہر ہے۔

ختم شد

مظہر کلیم ایم اے